May 2018

Rs.20/-

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

مسلمانان عالم اور قوم یہود کا تعلیمی تقابل

گلوبلائزیشن: ایک عالمی سازش

سرکار سرکانہی: حیات وخدمات

ہندوستانی ثقافت کے پوشیدہ عناصر

روزہ کے چاند ضروری مسائل

تم مسلمان ہو! یہ انداز مسلمانی ہے؟

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے فیصلے

رمضان کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT
Monthly

شعبان المعظم ورمضان المبارک ۱۴۳۹ھ — جلد ۴ — شمارہ نمبر: ۳۲ — MAY & JUNE 2018

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زرتعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
۱	اداریہ: مسلمانان عالم اور قوم یہود کا تعلیمی تقابل	مفتی سید شہباز اصدق چشتی (سہسرام)	5
۲	مشکل احادیث اور ان کا حل	مولانا کوثر امام قادری (مہراج گنج)	9
۳	روزہ کے چند ضروری مسائل	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (امریکہ)	13
۴	شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے فیصلے	ادارہ پیغام شریعت (دہلی)	16
۵	سرکار سرکا نہی: حیات وخدمات	مفتی رحمت علی تیغی مصباحی (کلکتہ)	20
۶	تم مسلمان ہو! یہ انداز مسلمانی ہے؟	مولانا محمد اشرف جیلانی (اکبرپور)	26
۷	دینی مسائل وملی مسائل	طارق انور مصباحی (کیرلا)	28
۸	گلوبلائزیشن: ایک عالمی سازش	مولانا محمد ہاشم رضا امجدی (گھوسی)	35
۹	ہندوستانی ثقافت کے پوشیدہ عناصر	مولانا حسان المصطفیٰ قادری (گھوسی)	39
۱۰	قوانین تکفیر کی جمع وتدوین	طارق انور مصباحی (کیرلا)	43
۱۱	دبستان ہفت رنگ	قارئین ودانشوران	52
۱۲	فتاویٰ اسحاقیہ: تعارف وخصائص	مولانا محمد اسلم رضا اشفاقی (ناگور)	54

{نوٹ}

اداریہ

مسلمانان عالم اور قوم یہود کا تعلیمی تقابل

از: مفتی سید شہباز اصدق چشتی (سہسرام)

ماضی بعید میں مسلمانان عالم اور یہودی قوم، بلکہ تمام اقوام عالم کے مابین تعلیمی وثقافتی تقابل کیا جائے تو یہ ناقابل تردید حقیقت سامنے آتی ہے کہ ماضی میں مسلمان، یہود ونصاریٰ سمیت تمام اقوام وملل سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ تھے۔ مشرق ومغرب میں ان کی علمی عظمت کا خطبہ پڑھا جارہا تھا اور ساری دنیا ان کے گلشن علم سے خوشہ چینی کررہی تھی۔

معروف سائنس داں جارج سارٹن نے مسلمانان عالم کے تابناک اور شاندار ماضی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا: ''انسانیت کے بنیادی کام کو مسلمانوں نے پورا کیا۔ اپنے وقت کا عظیم ترین فلاسفر مسلمان تھا، عظیم ترین ریاضی داں مسلمان تھا، عظیم ترین تاریخ داں بھی مسلمان ہی تھا''۔ (تاریخ سائنس)

مسلمانوں کے سنہرے ماضی کے حوالے سے ڈاکٹر آزاد نے تحریر کیا: ''یورپ مذہب کے مجنونانہ جوش کا علمبردار تھا۔ مسلمان علم ودانش کے علمبردار تھے۔ یورپ دعاؤں کے ہتھیاروں سے لڑنا چاہتے تھے۔ مسلمان لوہے اور آگ کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یورپ کا اعتماد صرف خدا کی مدد پر تھا۔ مسلمان کا اعتماد خدا کی مدد پر بھی تھا، لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے سروسامان پر بھی تھا۔ ایک صرف روحانی قوتوں کا معتقد تھا، دوسرا روحانی اور مادی دونوں کا۔ پہلے نے معجزوں کے ظہور کا انتظار کیا۔ دوسرے نے نتائج کے ظہور کا۔ معجزے ظاہر نہیں ہوئے، لیکن نتائج عمل نے ظاہر ہوکر فتح وشکست کا فیصلہ کردیا''۔

یہ تھا مسلمانوں کا شاندار اور خوبصورت ماضی۔ موجودہ عہد پر نظر ڈالیں تو بالکل اپوزٹ {Opposite} صورت حال سامنے آتی ہے۔ کل تک جو حال یہود ونصاریٰ کا تھا، آج وہی حال مسلمانوں کا ہوگیا۔ یہودیوں نے بڑی چالاکی سے مسلمانوں کی جگہ لے لی۔ آج یہودیوں کے علمی کارناموں نے انھیں دنیا کی سربراہی اور سرپرستی عطا کردی ہے۔ تعلیمی شعبوں اور اداروں میں ان کا اثر ورسوخ، عالمی سیاست پر ان کا کنٹرول، بزنس اور کاروبار پر ان کا قبضہ، میڈیا پر ان کا تسلط، غرض کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں یہودیوں کی سبقت اور برتری مسلم ہے۔

یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ تعلیمی میدان میں یہودی قوم سب سے آگے ہے۔ ''اسرائیل'' میں تعلیم یافتہ لوگوں کی شرح تناسب 95% سے زیادہ ہے، جبکہ مسلم ممالک میں یہی تناسب صرف 40% ہے۔ تعلیم اور مذہب کے تناظر میں پیو ریسرچ سنٹر کی ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق عالمی سطح پر یہودی قوم میں لوگ اوسطاً 13.4 سال تک باضابطہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ عالمی سطح پر مسلمان اوسطاً 7.7 سال سے کم اسکولوں میں تعلیم حاصل پاتے ہیں۔ اب تک نوبل انعام کو 170: یہودی شخصیات نے حاصل کیا ہے، جو مجموعی طور پر نوبل انعام یافتگان کا 20% ہے۔ یہودی تعلیم یافتگان نے معاشیات کے شعبے میں 41: ادویات میں 28: طبعیات میں 26: کیمیا میں 19: ادب میں 13: اور امن کے شعبہ میں 19: نوبل پرائز حاصل کیے ہیں، جبکہ آج تک صرف 02: مسلمانوں کو نوبل انعام حاصل ہوسکا ہے۔

ماضی قریب کی بے شمار ایجادات جس نے دنیا کو عظیم مادی ترقی عطا کی ہے، وہ یہودیوں کی ہی مرہون منت ہیں۔ کمپیوٹر کے ''سی پی یو'' کا موجد اسٹینلی میزر، ''ایٹمی ری ایکٹر'' کا موجد لیو زیلنڈ، ''فائبر آپٹیکل شعاعوں'' کا موجد پیٹر شلز، ''ٹریفک سگنل لائٹس'' کا موجد چارلس ایڈلر، ''اسٹین لیس اسٹیل'' کا موجد بینو سٹراس، ''فلموں میں آواز'' کا موجد ایسا دور کیسی ہے۔ یہ تمام یہودی قوم کے ہیں۔

تعلیمی اداروں کا حال بھی قابل رشک ہے۔ صرف ایک یہودی ملک ''اسرائیل'' میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تعداد 1134: ہے۔ عالمی شماریاتی ادارے ویبومیٹرک کی رینکنگ کے مطابق اسرائیل کی چھ یونیورسٹیاں ایشیا کی 100: یونیورسٹیوں میں سب سے ٹاپ پر ہیں،

جبکہ اسرائیل کی 04: یونیورسٹیاں پوری دنیا کی 150: یونیورسٹیوں میں سے ٹاپ پر ہیں۔ ہائر ایجوکیشن کی 1200: یونیورسٹیوں میں سے اسرائیل کی 03: یونیورسٹیاں ٹاپ پر ہیں۔ اس کے علاوہ سائنس، انجینئرنگ، میتھ میٹکس، کمپیوٹر سائنس، کیمسٹری اور لائف سائنس میں اسرائیلی یونیورسٹیاں پوری دنیا میں ٹاپ پر ہیں، جبکہ مسلمانوں کی یونیورسٹیاں اس طرح کی کسی لسٹ میں بالکل شامل ہی نہیں ہیں۔

بزنس اور کاروبار میں بھی یہودیوں کا عروج و ترقی مسلم ہے۔ آج بزنس کا 70% حصہ یہودیوں کے پاس ہے۔ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں یہودیوں کی ہیں، جن کا نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ خاص طور پر فیشن کاسمیٹیک، فوڈ آئٹمز، مشروبات، ہوٹلز، کمپیوٹرز انفارمیشن سسٹم، میڈیسن آپٹکس، سافٹ ویرز، کنزیومر گڈز، فلم انڈسٹری (ہالی وڈ) اور ایڈوانس ٹیکنالوجیز پہ گویا ان کی حکمرانی ہے۔ بزنس کی دنیا میں اسٹیبلیشڈ اور کامیاب ترین برانڈ مثلاً پولو، اسٹاربکس، گوگل، ڈیل کمپنی وغیرہ یہودیوں کے ہیں۔ ہولوکاسٹ سے پہلے جرمنی کی تجارت پر بھی یہودی قابض تھے، پھر امریکہ کی تجارت پر بھی ۱۹۹۹ء تک یہودی مکمل طور پر قابض تھے۔ آج بھی امریکہ کا فیڈرل ریزرو بینک ایک یہودی خاندان ''روتھ چائلڈ'' کی ملکیت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے بینک، مالیاتی ادارے اور تجارتی کمپنیاں یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ سپر پاور ملک امریکہ کے تمام اہم پیشوں پر یہودیوں کا ہی تسلط ہے۔ معیشت، اقتصادیات، مینوفیکچرنگ، ایگریکلچر، تعلیم، صحت، انٹرنیٹ کی بڑی بڑی کمپنیاں مثلاً فیس بک، گوگل، پے پال، وکی پیڈیا وغیرہ سب یہودیوں کی ہیں۔

عالمی سیاست میں بھی یہودی برادری کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کے اکثر ملکوں کی سیاست میں یہودی اپنا اثر رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے سیاسی عہدوں پر یہودی قابض ہیں۔ سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر، رچارڈ لیوین، ایلان جرین زپان، سابق امریکی وزیر خارجہ میڈلین البرایٹ، امریکہ کا مشہور سیاست داں جوزف لیبرمین، آیزک آسٹریلیا کا صدر، دیویڈ مارشل سنگاپور کا وزیر اعظم، پیفی گنی بریما کوف سابق روسی وزیر اعظم، بیری گولڈ واٹر امریکی سیاستداں، جارج سمپایو پرتگال کا صدر، ہرب گرے کینیڈین نائب صدر، پیر مینڈس فرانس کا وزیر اعظم، مائیکل ہوارد برطانوی وزیر مملکت، آسٹریلوی چانسلر برونو کریسکی، امریکی وزیر خزانہ روبرٹ روبین، میکسم لیٹوینوف وغیرہ مشہور عالمی سیاسی شخصیات کا تعلق یہودی کمیونٹی {Community} سے ہے۔

اسی طرح الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا، تمام تر ذرائع ابلاغ پر آج یہودیوں کا قبضہ ہے۔ ٹی وی اور ریڈیو پر 99% یہودیوں کا قبضہ ہے۔ فلمی دنیا پر 80% یہودی قابض ہیں۔ امریکہ سے شائع ہونے والے ڈیڑھ ہزار اخبارات میں سے 75% اخبارات یہودیوں کے پاس ہیں۔ ایک ایک یہودی فرم {Firm} پچاس پچاس اخبارات و میگزین شائع کرتی ہے۔ ''نیو ہاؤس'' یہودیوں کا ایک اشاعتی ادارہ ہے جو 26: روزنامے اور 24: میگزین شائع کرتا ہے۔ امریکہ کے تین مشہور اخبارات یہودیوں کی ملکیت میں ہیں، جن میں سے ہر ایک کی اشاعت 90: لاکھ سے زیادہ ہے۔ مشہور اور اہم ایجنسیوں مثلاً ''اے ایف پی''۔ ''رائٹر'' اور ''اے پی'' پر بھی یہودیوں کا قبضہ ہے۔ انٹرنیٹ کے تمام سرچ انجن یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

غرض کہ تعلیمی اداروں سے لے کر سیاسی شعبوں تک اور سماجی زندگی سے لے کر خانگی زندگی تک تمام شعبہ ہائے حیات میں یہودی ایک کامیاب اور غالب قوم کی حیثیت سے موجود ہیں۔ یہودی آج پوری دنیا کے نظام سیاست و تجارت پر مکمل طور پر قابض و متصرف ہیں۔ مسلم ممالک سمیت پوری دنیا کے سیاسی رہنما ان کے حکم کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اس قوم کی برتری اور ترقی کا تذکرہ ہے کہ جن کی دنیا میں کل آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ یہ تعداد امریکہ میں 70: لاکھ، ایشیائی ممالک میں 50: لاکھ، افریقہ میں ایک لاکھ، اور یورپ میں 20: لاکھ کے قریب ہے، جبکہ دنیا میں مسلمانوں کی کل آبادی ایک ارب پچاس کروڑ سے زیادہ ہے۔ گویا ایک یہودی کے مقابلہ میں ایک سو سات مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود ایک کروڑ چالیس لاکھ یہودی ایک ارب پچاس کروڑ مسلمان پر غالب ہیں۔

یہ صورت حال جہاں حیرت انگیز ہے، وہیں افسوسناک بھی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ 02% یہودی پوری دنیا کے مسلمان، بلکہ تمام اقوام عالم سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ہیں۔ آخر اس ترقی اور علمی برتری کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ مشہور ومعروف سائنس داں ڈاکٹر اسٹیفن کارلی جو 03: سالوں تک یہودی ملک اسرائیل میں قیام پذیر رہا، اور یہودیوں کی تعلیم وترقی اور ان کی طرز زندگی پر عمیق نظروں سے مطالعہ کرتا رہا۔ اس نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہودی برادری کے لوگ ذہین، جینیس، قابل اور باصلاحیت کیوں ہوتے ہیں؟ ڈاکٹر اسٹیفن نے اپنے تھیسس ''why smart jew'' میں لکھا:

"The first thing i noticed is that the pregnant mother would always sing and play piano and would always try to solve mathematical problems together with the husband ,and i was very surprised to see the mother always carry math books and sometimes i would help her to solve some problems,i would asked ,"is this for your child in the womb?"she would answer"yes to train the child still in the womb so that it would be a genius later on" she would solve the problem without let up until the child is born."

پہلی چیز جو میں نے نوٹس کیا، وہ یہ کہ یہودی بچوں کی مائیں دوران حمل گانے گاتیں اور پیانو بجاتی تھیں، اور ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر میتھ کے سوالات حل کرتی تھیں، اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ وہ ہر وقت میتھ کی کتاب لیے رہتی تھی۔ بسا اوقات میں نے بھی میتھ کی مشکلات کو حل کرنے میں ان کی مدد کی ہے۔ میں نے ایسی عورتوں سے سوال کیا: یہ سب آپ اپنے بچے کے لیے کر رہی ہیں؟ تو ان حاملہ عورتوں نے یہی جواب کہ جی ہاں، میں اپنے ہونے والے بچے کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہوں، تاکہ آنے والے کل میں وہ جینیس اور عقل مند پیدا ہو۔ حاملہ یہودی عورتیں اپنے بچے جننے تک لگا تار علمی موشگافیوں میں مصروف رہتی تھیں۔

"Another thing i noticed,is about the food,she loved to eat almonds and dates with milk, for lunch she would take bread and fish without the head,salad mixed with almonds and other nust, they believed fish is good for the development of brain and the fish's head is bad for the brain,and also it is like the culture of the jews for pregnant mothers to take cod liver oil."

دوسری چیز جو میں نے نوٹس کیا، وہ یہ ہے کہ حاملہ خواتین کھانے میں ہمیشہ بادام، کھجور، دودھ اور مچھلی شوق سے کھاتی ہیں۔ سلاد میں بادام اور دیگر گری والے میوے مخلوط کر کے کھاتی ہیں۔ اس بات میں ان کا یقین ہے کہ مچھلی دماغ کی نشو ونما کے لیے بہت مفید ہے اور یہ یہودی کی تہذیب بھی ہے کہ حاملہ خواتین سمندری مچھلی کا تیل بھی استعمال کرتی ہیں۔

"when i was invited for dinner,i always noticed that they always like to eat fish [flesh and fillet] and no meat ,according to their belief ,meat and fish together will not give any benefit to our body ,salad and nust is a must, espesially almonds,they would always eat fruits first before the main meal, their belief if you eat the main meal first [like bread or rice] then fruits , this will make

us feel sleepy and difficult to understand any lesson you learn in school."

مجھے جب ڈنر پر مدعو کیا گیا تو میں نے نوٹ کیا کہ وہ ہمیشہ مچھلی کھانا پسند کرتی ہیں، جبکہ گوشت نہیں۔ان کا ماننا ہے کہ مچھلی اور گوشت اکٹھے لیے جائیں تو اس کا ہمارے جسم کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ہے، اگر اکیلی مچھلی کھائی جائے تو بہت فائدہ مند ہوتی ہے اور ڈنر میں سلاد، میوے اور بادام لازمی ہوتے ہیں۔ یہودی حاملہ عورتیں فروٹ جب بھی کھاتی ہیں، کھانے سے پہلے کھاتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اگر آپ کھانے (روٹی یا چاول) کے بعد فروٹ کھائیں گے تو اس سے آپ کے جسم میں (اور آنے والے بچے کے جسم میں) سستی پیدا ہوتی ہے، اور بچے کو اسکول میں سبق یاد کرنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر اسٹیفن نے یہودیوں کی کامیابی کے حوالے سے ایک اور حیرت انگیز بات اپنے تحقیقی مقالہ میں نوٹ کی ہے۔اس نے لکھا:

"In Israel smoking is a taboo,if you are their guest,don't smoke in their house,they would politely ask you to go out for a smoke, according to scientist in university of Israel, nicotine would destroy the main cell in our brain and will affect the genes and DNA, resulting in generation of moron or defective brain, so all those smokers, please take note[ironically, the biggest producer of cigarettes is you know who make your own guess]

'یہودی ملک ''اسرائیل'' میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔(وہاں صرف کوئی غیر ملکی مہمان ہی سگریٹ پی سکتا ہے)۔اگر آپ یہاں مہمان ہیں تو آپ ان کے گھر میں سگریٹ نہ پییں۔وہ آپ کو شائستگی کے ساتھ کہہ دیں گے کہ آپ باہر جا کر سگریٹ پی آئیں۔سگریٹ نوشی کے بارے میں یونیورسٹی آف اسرائیل کے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ نیکوٹن ہمارے دماغ کے خلیوں کو تباہ کرتی ہے اور یہ ہمارے جینز اور ڈی این اے کو بری طرح متاثر کرتی ہے جس کے نتیجے میں آنے والی نسل میں دماغی کمزوری یا ذہنی خلل پیدا ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر اسٹیفن کی ان تحقیقی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہودی گھرانے میں کسی بچے کے پیدا ہونے سے قبل ان کی پوری توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ انھیں ایک انتہائی قابل، ذہین اور جینیس بچہ پیدا کرنا ہے، اور ولادت کے بعد سے عہد شباب تک وہ اپنے اولاد کی تعلیم و تربیت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں رہنے دیتے۔اس طرح یہودیوں کی محنت، کوشش، خوراک اور حمل کے دوران معمولات کے نتیجے میں ایک انتہائی ذہین اور قابل بچہ اس دنیائے رنگ و بو میں آ کر اپنی قابلیت اور غیر معمولی صلاحیت پر دنیا والوں سے خراج وصول کرتا ہے۔ظاہر ہے کہ جس بچے کی تربیت استقرار حمل کے پہلے دن سے شروع ہو جائے تو اس بچے کے اندر غیر معمولی انقلاب برپا نہ ہونا بعید ہے: الا ماشاء اللہ۔اگر ماضی کے جھروکوں سے اسلامی تاریخ کا پردہ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہودیوں کا طریق کار و طرز عمل کوئی انوکھی یا اجنبی تہذیب نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اسلامی تہذیب و ثقافت سے مستعار ہے۔

بے شمار واقعات و روایات موجود ہیں کہ اسلام کی جن مقدس ماؤں نے دوران حمل قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کی ہے تو ان کے بچے حافظ قرآن پیدا ہوئے ہیں۔جن ماؤں نے وضو کر کے اور نفل نماز ادا کر کے اپنے بچے کو دودھ پلایا ہے تو ان کے بچے بڑے ہو کر رازی و غزالی پیدا ہوئے ہیں۔جن ماؤں نے اپنے بچے کو جرأت و بہادری کی لوریاں دے کر ان کی تربیت کی ہو، ان کے بچے صلاح الدین ایوبی جیسے فاتح پیدا ہوئے ہیں۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم اپنے ہی طریقہ کار سے غافل رہ کر رسوائی کا سامنا کر رہے ہیں اور یہود و نصاریٰ ہمارے ہی اصول و قوانین کو بروئے کار لا کر کامیابی و کامرانی کے ہفت افلاک پر پہنچ گئے۔ڈاکٹر اقبال نے قوم مسلم کی تعلیمی ترغیب کے لیے کہا:

باپ کا علم نہ بیٹے کو گر ازبر ہو ۔۔۔ پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

سترہویں قسط

مشکل احادیث اوران کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری: مہراج گنج (یوپی)

نماز میں رفع یدین (بحث اول)

ثبوت رفع یدین وترک رفع یدین کا باب بہت وسیع ہے۔ محدثین اسلام نے اس باب میں کثیر روایتیں جمع فرمائی ہیں۔ان روایتوں میں بظاہر تعارض بھی نظر آتا ہے۔ایک طرف دوراویوں کی روایتیں باہم متعارض ہیں تو دوسری طرف ایک ہی راوی سے باہم متعارض حدیثیں مروی ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے مجتہدین کا ایک ایسا مبارک طبقہ پیدا فرمایا، جس نے تناقض وتعارض کی وادی میں شمع ہدایت روشن فرمائی اور صراط مستقیم کے راہیوں کے لیے قندیل فروزاں مہیا فرمادیا۔

کتب صحاح ستہ میں رفع یدین سے متعلق کل گیارہ صحابہ کرام کی روایات مذکور ہیں۔ان میں سے تین صحابہ حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عمیر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایتیں سنن ابن ماجہ میں ہیں۔میں نے ان روایتوں کو نقل نہیں کیا، کیوں کہ ان کی سندیں انتہائی ضعیف ہیں ۔یہاں صرف وہی روایتیں زیر بحث لائی گئیں، جن کی سندیں صحیح ہیں، یا ان میں ہلکا سا ضعف ہے۔ اب گیارہ میں سے کل آٹھ روایتیں باقی رہیں۔ان آٹھ میں سے سات کا حال یہ ہے کہ ہر ایک صحابی سے باہم متعارض روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔حضرت مالک ابن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تخریج امام بخاری ومسلم اور دیگر مؤلفین صحاح نے کی ہے۔ان سے صرف رفع یدین کی روایت مروی ہے۔پانچ صحابہ کرام کی روایتیں بحث اول میں درج ہیں۔ بحث دوم میں باقی تین صحابہ کرام کی روایتیں اوراس باب کی احادیث طیبہ کے مابین پائے جانے والے تعارض کا حل پیش کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر کی روایات

{عن عبد اللّٰہ عمر رضی اللّٰہ عنہ قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ وقبل ان یرکع فاذا رفع من الرکوع ولا یرفعھما بین السجدتین} (مسلم: باب استحباب رفع الیدین- بخاری: جلداول ص۱۰۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں تک بلند فرماتے ،اسی طرح رکوع میں جانے سے پہلے، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دوسجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

امام بخاری وامام مسلم کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدین ثابت ہے، جب کہ اس کے خلاف حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بھی روایت بیان کی ہے۔

{عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین} (مسند حمیدی جلد ۲ ص ۲۷۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک رفع یدین فرماتے تھے اور رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین نہیں فرماتے تھے ،اور نہ دوسجدوں کے درمیان رفع یدین

فرماتے تھے۔

توضیح: گویا اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو متعارض حدیث مروی ہیں۔

(۲) حضرت وائل بن حجر کی روایات

{عن ابی وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنہ قال:صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان اذا کبررفع یدیہ،قال: ثم التحف ثم اخذ شمالہ بیمینہ وادخل یدیہ فی ثوبہ قال فاذا اراد ان یرکع اخرج یدیہ ثم رفعھما واذا اراد ان یرفع رأسہ من الرکوع رفع یدیہ ثم سجد ووضع وجھہ بین کفیہ واذا رفع رأسہ من السجود ایضًا رفع یدیہ حتی فرغ من صلاتہ}

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۲)

ترجمہ: حضرت ابو وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ، پھر چھپائے ، پھر بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے پکڑا ، اور انھیں اپنے کپڑے میں داخل فرمالیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو نکال کر اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھانے کا ارادہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ، پھر سجدہ فرماتے تو اپنے مبارک چہرہ کو اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے ، اور سجدوں سے سر مبارک اٹھاتے تو اس وقت بھی رفع یدین فرماتے ، یہاں تک کہ اپنی نماز سے فارغ ہوجاتے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع وسجود کے وقت رفع یدین فرمایا کرتے ، جب کہ اس کے خلاف آپ کی درج ذیل روایت ہے۔

{عن وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنہ قال:رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین افتتح الصلٰوۃ رفع یدیہ حیال اذنیہ قال ثم اتیتھم فرأیتھم یرفعون ایدیھم الٰی صدورھم فی افتتاح الصلٰوۃ وعلیھم برانس واکسیۃ} (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۲)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کی لو تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ ان کا بیان ہے کہ پھر میں دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو سینوں تک اٹھاتے اور ان کے اوپر جبے اور کمبل ہوتے۔

اس روایت میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرمائے اور بس۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ کی روایات

{عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ حین یکبر ویفتتح الصلٰوۃ وحین یرکع وحین یسجد} (مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں تک رفع یدین فرماتے تھے ، جب تکبیر کہہ کر نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آغاز نماز اور رکوع وسجدے کے وقت رفع یدین کرتے تھے، لیکن خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف یہ روایت پیش کی ہے۔

{عن ابی ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا دخل فی الصلٰوۃ رفع یدیہ مدا}

(سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو ہاتھوں کو دراز فرما کر رفع یدین فرماتے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رفع یدین صرف آغاز نماز میں ہے، نہ کہ رکوع وسجود کے وقت۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اسے ''باب من لم یذکر الرفع عندالرکوع'' کے تحت ذکر کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دونوں روایتیں آپس میں متعارض ہوگئیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایات

{عن النضربن كثير السعدى رضى الله عنه قال: صلى الٰى جنبى عبد الله بن طاؤس فى مسجد الخيف فكان اذا سجد السجدة الاولٰى فرفع رأسه منها رفع يديه تلقاء وجهه فانكرت ذلك فقلت لوهيب بن خالد فقال له وهيب بن خالد—تصنع شيئا لم ار احدا يصنعه فقال ابن طاؤس: رأيت ابى يصنعه وقال ابى: رأيت ابن عباس يصنعه ولا اعلم الاانه قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصنعه} (سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۱۵)

ترجمہ: حضرت نضر بن کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد خیف کے اندر عبداللہ بن طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے پہلو میں نماز ادا کی۔ جب انھوں نے پہلا سجدہ کرکے اپنا سر اٹھایا تو اپنے دونوں ہاتھ چہرے تک بلند کیا۔ میں نے اس بات کو ناپسند کیا اور وہیب بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ وہیب نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کام کرتے ہیں جو میں نے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابن طاؤس نے کہا: میں نے اپنے والد ماجد کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ میرے والد نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا اور میرے خیال میں انھوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔

توضیح: اس روایت کی سند انتہائی خفیف ہے، اس لیے اس سے بحث مناسب نہیں، تاہم تکمیل بحث کے لیے اس کو شامل کیا۔ امام بخاری نے اپنی کتاب ''جزء رفع یدین'' میں ایک روایت یہ بیان فرمائی ہے۔

{عن طاؤس ان عبد الله بن عباس رضى الله عنه كان اذا قام الى الصلٰوة رفع يديه حتى تحاذى اذنيه واذا رفع رأسه من الركوع واستوى قائمًا فعل مثل ذلك} (جزء رفع یدین ص ۴۰)

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کانوں تک رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہوجاتے تو اسی طرح کرتے۔

توضیح: یہ اثر بھی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع وسجود کے وقت رفع یدین فرماتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی عمل تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن عبد اللّٰه بن عباس رضى الله عنه ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن حين يفتتح الصلٰوة وحين يدخل المسجد الحرام فينظر الى البيت وحين يقوم على الصفا وحين يقوم على المروة وحين يقف مع الناس عشية عرفة ويجمع والمقامين حين يرمى الجمرة}

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۳۰۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف سات مواقع پر رفع یدین کیا جائے۔ نماز کے افتتاح کے وقت، اور جب مسجد حرام میں داخل ہوکر بیت اللہ کو دیکھے، اور جب صفا پر کھڑا ہو، اور جب مردہ پر کھڑا ہو، اور جب مزدلفہ میں قیام کرے، اور منیٰ کے دونوں مقام میں رمی جمار کے وقت۔

توضیح: اس حدیث کی سند بہت ہی اچھی وجید ہے۔ (نزل الابرار ص ۲۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رفع یدین صرف ابتدائے نماز میں ہے، نہ کہ رکوع وسجود کے وقت

اور یہ ماقبل کی روایت کے معارض ہے۔

(۵) حضرت علی مرتضٰی کی روایات

{عن علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ کبر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذلک اذا قضی قرأتہ واراد ان یرکع ویصنعہ اذا رفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیء من صلاتہ وھو قاعد واذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک وکبر}

(سنن ابی داؤد جلد ا/ص ۱۱۶)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے اور جب قرأت سے فارغ ہوتے تو اسی طرح کرتے جب کہ رکوع کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے اور نماز میں کسی اور جگہ نہ اٹھاتے جب کہ بیٹھے ہوئے ہوتے اور جب سجدوں سے کھڑے ہوتے تو اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور تکبیر کہتے۔

توضیح: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدین ثابت ہے، جب کہ آپ کا عمل خود ہی اس کے خلاف ہے۔

{عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا رضی اللّٰہ عنہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود}

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۲۳۶)

ترجمہ: حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر دوبارہ (کسی جگہ) رفع یدین نہیں فرماتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور ان کے اپنے عمل میں تضاد ہے۔ (باقی بحث دوم میں) ☆☆☆

(باقی صفحہ ۲۷ کا) کیا بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات صرف بابری مسجد کے سبب ہوئے ہیں؟ کیا بابری مسجد منتقل کر دینے سے تمام کشیدگی ختم ہو جائے گی؟ پھر ان ہزاروں مسجدوں کا کیا ہوگا جن کے معاملات عدالت میں زیر سماعت ہیں؟ ہم کب تک اپنی مسجدیں تھالی میں سجا کر غیروں کو پیش کرتے رہیں گے؟ یہ بات دل میں بٹھالیں کہ مسجد اللہ کی ملکیت ہے۔ ہم صرف اس کے محافظ ونگہبان ہیں۔ اس کی حفاظت اور آبادی ہمارے ذمہ ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے، بلکہ کسی مصلحت کا شکار ہو کر سودا بازی کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مجرم ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے: آمین

سپریم کورٹ میں تین رکنی بنچ بابری مسجد مقدمہ کی سماعت کر رہا ہے۔ 06: اپریل ۲۰۱۸ء کو کورٹ کی کاروائی شروع ہوئی تو بابری مسجد مقدمہ کے وکیل راجو دھون نے معاملہ کو حساس قرار دیتے ہوئے ججوں سے درخواست کی کہ اس مقدمہ کو کثیر رکنی آئینی بنچ کے حوالہ کیا جائے۔ راجو دھون نے یہ بھی بتایا کہ چیف جسٹس دیپک مشرا نے تعدد ازدواج اور حلالہ جیسے معاملہ کو حساس بتاتے ہوئے پانچ رکنی آئینی بنچ کے حوالے کیا تھا، جب کہ بابری مسجد کا معاملہ مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ اہم ہے۔ راجو دھون کی اس درخواست پر ججوں نے کوئی رائے نہیں دی اور کہا کہ پہلے وہ نامکمل بحث کو مکمل کریں، پھر سینئر ایڈوکیٹ راجو رام چندرن کی بحث کی سماعت کے بعد ہی کوئی فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

اسی بحث میں راجو دھون نے سپریم کورٹ کی جانب سے اسماعیل فاروقی کے مقدمہ کے فیصلہ پر تنقید کی، اور اس کی خامیوں کو اجاگر کیا۔ اسی فیصلہ کو بنیاد بنا کر الٰہ آباد ہائی کورٹ نے کہا تھا کہ نماز کہیں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مسجد کی اہمیت مسلمانوں کے یہاں بہت ہی زیادہ ہے۔ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مسجد کو آباد رکھنے اور اس کی تعمیر کی تاکید آئی ہے۔ نیز مسجد میں نماز پڑھنے اور دوسری عبادتیں ادا کرنے کا ثواب دوسری جگہوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہے۔ آج بھی ڈاکٹر راجو دھون کی بحث نامکمل رہی، جس کے بعد عدالت نے 27: اپریل تک سماعت کو ملتوی کر دیا۔ ☆☆☆

روزہ کے چند ضروری مسائل

تحریر: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (امریکہ)

روزہ رکھنے پر رضائے الٰہی کے حصول کے ساتھ بے شمار طبی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا بندے کو ہر ہفتہ ایک دن روزہ رکھنے یا ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اور جو شخص سال میں ایک ماہ بھی روزہ نہ رکھ سکے تو جہاں وہ اللہ رب العزت کی نافرمانی اور شدید گرفت کی طرف بڑھ رہا ہے اسی طرح طبی اعتبار سے وہ مہلک بیماریوں کی طرف بھی پیش قدمی کر رہا ہے، اور شدید اندیشہ ہے کہ شوگر، کولیسٹرال یا بلڈ پریشر کے امراض اس کو اپنا نشانہ بنائیں اور اس کے اعضائے رئیسہ کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیں، اور جو شخص حکم شرع کی اتباع میں روزے رکھتا ہوا سے اپنے رب کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ صحت و سلامتی کی بہت ساری سوغات بھی ملتی ہیں۔

جلد افطار اور دیر سے سحری کا مفہوم

حدیث شریف میں ہے کہ میری امت اس قت تک خیر پر ہوگی جب تک سحری میں دیر کرے اور افطار جلد کرے۔ اس حدیث شریف میں افطار جلد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کا یقین ہو جائے پھر تاخیر نہ کرے۔ اور سحری میں دیر کرنے سے مراد رات کے آخری حصے میں سحری کرنا ہے، لیکن یقین ہو کہ ابھی صبح صادق نہ ہوئی۔ لہٰذا ابھی شک ہے کہ آفتاب غروب ہوا یا نہیں؟ تو ہرگز روزہ افطار نہ کرے، یوں ہی اگر صبح صادق ہونے کا شک ہونے لگے اس سے پہلے ہی کھانا پینا بالکل بند کر دے۔ لہٰذا کوئی شخص اگر اطمنانِ خاطر کے لیے ایک دو منٹ افطار میں تاخیر کرے یا سحری جلد بند کر دے تو حدیث پاک کی مخالفت نہیں لازم آئے گی، بلکہ جب ایک ہی شہر میں مختلف ٹائم ٹیبل جاری ہوں تو احتیاط لازم ہے، کیوں کہ غلطی سے بھی اگر ایک لقمہ یا ایک گھونٹ، صبح صادق کے بعد یا غروبِ آفتاب سے پہلے حلق سے اتار لیا تو روزہ نہ ہوا۔

جس مقام پر لمبے روزے ہوں وہاں لوگ کیسے روزے رکھیں؟

گرمی کے موسم میں دنیا کے کچھ خطوں میں طویل ترین روزے ہوتے ہیں، مثلاً انگلینڈ، ناروے، کناڈا، الاسکا وغیرہ، ان مقامات پر گرمی کے مہینوں میں روزے اٹھارہ سے بائیس گھنٹے تک لمبے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہی روزے رکھنے ہوں گے، یہ وقت خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، ایسا نہیں کر سکتے کہ کسی قریبی ملک کے اوقات کا اعتبار کر لیں۔ اگر پورے ماہ اتنے طویل روزے رکھنے کی قدرت نہ پائیں تو ممکن ہو تو مستقل یا محض ماہِ رمضان کے لیے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تا کہ پورے روزے رکھ سکیں، ایسا بھی نہ ہو سکے اور ممکن ہو کہ ایک دن ناغہ دے کر ایک دو یا تین دن روزے رکھ سکیں تو ایسا کر لیں، اس میں ایک ناغہ کے بعد کتنے روزے رکھ سکیں گے اس میں اپنی قوت واستطاعت کا اعتبار ہوگا، لیکن ناغہ میں جتنے روزے چھوٹے بعد میں ان کی قضا کرنی ہوگی۔ اور ان مقامات پر بسنے والے ایسے دنوں میں سفر شرعی کی تدبیر کریں تا کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لیں تو حرج نہیں۔

ہوائی جہاز کے سفر میں کس وقت روزہ افطار کریں؟

ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے اپنے محل پرواز کے اعتبار

سے ہی روزہ افطار کرسکتے ہیں، یعنی جس مقام پر ہوائی جہاز پرواز کررہا ہے عین اس مقام پر غروب آفتاب ہو چکا ہو، کسی قریبی شہر کے وقت کا اعتبار نہیں، اور ایسا معلوم کرنے میں دشواری ہو تو احتیاطاً اتنی دیر کریں کہ غروب آفتاب کا یقین ہوجائے۔ اور اس میں بھی دشواری ہو تو بہتر ہے کہ بعد میں روزے کی قضا کرلیں۔

ایک ملک سے دوسرے ملک جانے والا کہاں کی تاریخ کا اعتبار کرے؟

ایک شہر یا ملک میں رمضان کے روزے شروع کیے پھر دوسرے شہر یا ملک پہنچا تو روزے کے اوقات اور تاریخ کے متعلق اب اس نئی جگہ کا اعتبار کرے، ہاں اگر پہلے شہر میں رویت یا شرعی شہادت سے رمضان کا آغاز ہوا ہو، اور یہاں تاریخ مختلف ہے اور یہ نصابِ شہادت رکھتا ہے تو اس نئے شہر کے قاضی کو رویت کی شہادت دے۔ اس مسئلے میں مزید صورتیں اور تفصیلات ہیں۔

خون نکلوانے یا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

خون نکلوانے یا انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ گوشت میں ہو یا رگوں میں ہو، ہاں بلاضرورت انجکشن لگوانے سے روزہ مکروہ ہوگا۔ انجکشن سے روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے متعلق متاخرین علما کے مابین اختلاف ہوا، کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ رگوں میں انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ASTHMA (دمہ) کے مریض انہیلر لیتے ہیں تو اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

دمے کے مریض کو گاہے گاہے مصنوعی آکسیجن لینی ہوتی ہے، قدرتی آکسیجن انسان کے لیے لازمی ہے کہ اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں، لیکن مصنوعی آکسیجن جس کو کسی گیس یا سیال شکل میں محفوظ کیا گیا ہو اس کی حیثیت دوا کی ہے، لہٰذا ایسی گیس یا سیال دوا اگر منھ یا ناک کے ذریعہ چڑھائی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ دمے کا مریض جو اس Inhaler کے بغیر نہ رہ سکے اس کے لیے عذر ہے کہ وہ دوا لے اور روبصحت ہونے کے بعد روزے کی قضا کرے۔ اور صحت کی امید نہیں تو فدیہ دے۔

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگرچہ دوا آنکھ کے حلقے سے رس رس کر حلق تک پہنچ جائے، اس لیے کہ روزہ تب ٹوٹتا ہے جب کہ کچھ، کسی منفذ کے ذریعہ شکم یا دماغ تک پہنچے نہ کہ مسام کے ذریعہ، اور آنکھ سے حلق کی طرف کوئی منفذ نہیں۔

مفتی منیب الرحمٰن صاحب کراچی نے اپنی کتاب تفہیم المسائل میں اس مسئلہ پر نئی تحقیق کی بنا پر نظر ثانی کا مشورہ دیا ہے، لکھتے ہیں:

ہمارے قدیم فقہا کا خیال تھا کہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، لہٰذا اب تک ہمارے علمائے کرام یہی فتویٰ دیتے چلے آرہے ہیں کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور دوا ٹپکانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن تازہ ترین طبی تحقیق یہ ہے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان راستہ ہے۔ آنکھ کے ڈھیلے کے پیچھے غدودوں سے قدرت کے خود کار نظام کے تحت نمکین پانی رستا رہتا ہے۔ الیٰ ان قال۔ آنکھ کے گوشے میں دو باریک نالیوں کے ذریعہ حلق میں چلا جاتا ہے، جب کہ ہمارے قدیم فقہا کا خیال یہ تھا کہ حلق میں جو دوا یا سرمے کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے یہ مساموں کے ذریعہ حلق میں اترتے ہیں، لہٰذا جب روٹ یا نالی موجود ہے، اس کا سائز یا قطر موضوع بحث نہیں ہے تو اب ہمارے علما کو یہ فتویٰ دینا چاہیے کہ آنکھ میں دوا ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (تفہیم المسائل حصہ اول صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے تازہ طبی تحقیق میں آنکھ اور حلق کے مابین راستہ ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن کسی جدید تحقیق یا کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ راقم الحروف نے فن تشریح الاعضا پر لکھی گئی جدید کتب اور مواد کا مطالعہ کیا، جس میں ہمیں آنکھ سے حلق کی طرف جانے والی ایسی کسی نلی کا ذکر نہیں ملا جسے منفذ کہہ سکیں۔ بلکہ یہ معلوم ہوا کہ آنکھ سے باریک سی نلی ناک کے نتھنوں کی طرف جاتی ہے، جس کی وجہ سے جب آنسو نکلتے ہیں تو ناک سے بھی پانی جاری ہونے لگتا ہے، چنانچہ جدید فن تشریح الاعضا کی ایک مستند کتاب Anatomy Physiology By Saladin کی عبارت یہ ہے:

After washing across the eye, the tears collect near the medial commissure and flow into a tiny pore, the lacrimal punctum, on the margin of each eyelid. The punctum opens into a short lacrimal canal, which leads to the lacrimal sac in the medial wall of the orbit. From this sac, a nasolacrimal duct carries the tears to the inferior meatus of the nasal cavity - thus an abundance of tears from crying or watery eyes can result in a runny nose.

(Kenneth S. Saladin, "Anatomy & Physiology: The Unity of Form and Function" Sixth Edition, Part Three, Chapter 16, pg.611, McGraw-Hill 2012)

مذکورہ عبارت میں حلق کی بجائے ناک کے نتھنے کی طرف نلی بتائی گئی ہے، اور لطف یہ کہ اس نلی (Duct/Canal) کو بھی باریک مسام (Tiny Pore) کہا گیا ہے۔ ہاں جب آنکھ کا پانی اس باریک نلی سے ناک کی طرف چلا جائے تو حلق کی طرف جانے کا امکان رہتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ حلق میں چلا ہی جائے۔ اس سے واضح ہوا کہ سرمے یا دوا کا جو ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے وہ مسام کے ذریعہ جاتا ہے نہ کہ کسی منفذ کے ذریعہ۔

کن لوگوں پر روزہ کا فدیہ ہے

شیخ فانی یعنی جو بڑھاپے کی اس سطح پر پہنچ گئے کہ اب روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں، یا جو لوگ دائمی مریض ہیں کہ بغیر دوا یا غذا کے دن بھر نہیں رہ سکتے اور آئندہ روبصحت ہونے کی امید بھی نظر نہیں آتی ایسے لوگ فدیہ دیں، ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا دیدیں یا ایک صدقۂ فطر کی مقدار دیدیں۔ لہٰذا جو فی الحال مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے ایسے لوگ روبصحت ہونے کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کریں، اور جن کو شفایابی کی امید نہ تھی اور انھوں نے اپنے روزوں کا فدیہ ادا کر دیا ہو اب اگر وہ کسی طرح شفایاب ہو گئے تو انھیں بھی اب روزے رکھنے ہوں گے، اور ادا کردہ فدیہ صدقۂ نافلہ ہو جائے گا۔ یوں ہی حاملہ خاتون یا شیر خوار بچے کو دودھ پلانے والی ماں کی حالت ایسی ہو کہ روزہ رکھنے سے اسے یا بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو وہ بھی روزے چھوڑ سکتی ہے اور بعد میں قضا کرے، فدیہ دینا کافی نہیں۔

فدیہ یا صدقہ فطر کا حساب

صدقہ فطر یا فدیہ کی مقدار ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا، یا نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جَو یا کھجور ہے۔ عموماً لوگ فدیہ یا صدقہ فطر کا واجبی حساب کرتے ہیں، یعنی دو کلو ۴۷ گرام گیہوں یا اس کی قیمت دیدیتے ہیں، اس قدر سے واجب ادا ہو جائے گا، لیکن اگر مختلف چیزوں یا ذرائع سے حساب کرنے سے مختلف مقدار آتی ہو تو حساب وہ کرنا چاہیے جس میں فقرا کا فائدہ ہو۔ لہٰذا اربابِ استطاعت کو ۴ کلو ۹۴ گرام عمدہ کھجور کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے یا اس سے بہتر، تاکہ فقرا کا زیادہ فائدہ ہو۔ ☆☆☆☆☆

پندرہویں فقہی سیمینار شرعی کونسل آف انڈیا (بریلی شریف) کے فیصلے

ادارہ پیغام شریعت (دہلی)

شرعی کونسل آف انڈیا (بریلی شریف) کے پندرہویں فقہی سیمینار منعقدہ: ۱۸، ۱۹، ۲۰/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۶، ۷، ۸/ اپریل ۲۰۱۸ء کے فیصلوں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ تین دنوں میں سیمینار کی چار نشستیں ہوئیں۔ تفصیل کے لیے ہماری فقہی ویب سائٹ دیکھیں۔
www.alhaneef.com

نشست اول ودوم: ۱۸، ۱۹/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۶، ۷/ اپریل ۲۰۱۸ء

(۱) سوال: بٹ کوائن Bitcoin وان کوائن Onecoin اور اس طرح کی دوسری ورچوئل کرنسیاں مال ہیں یا نہیں؟ انہیں ثمن اصطلاحی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ورچوئل کرنسی کے متعلق جتنی معلومات حاصل ہوئیں، ان کی روشنی میں بحث وتحقیق کے بعد باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ ورچوئل کرنسی مادی نہیں اور اس کا کوئی وجود خارجی نہیں تو شرعاً وہ مال نہیں ہے کہ مال کا از قبیل اعیان ہونا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے: "**والمراد بالمال ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة-اه**" (ج۷/ص۱۰) **المال عين يمكن احرازها وامساكها**" (ج۶/ص۳۹۳) اور جب وہ کرنسی مال نہیں تو وہ ثمن اصطلاحی بھی نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سوال: جب خارج میں یہ موجود نہیں، حساً اس پر قبضہ ممکن نہیں اور مقدور التسلیم بھی نہیں تو ان کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بیع کے لیے مبیع کا مال ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ اور بحرالرائق میں ہے: "**البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي**" (ج۵، ص۲۵۶) اور جب مذکورہ کرنسی مال نہیں ہے تو اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سوال: اگر کوئی شخص یورو اور ڈالر کے ذریعہ بٹ کوائن یا ون کوائن یا دوسری ورچوئل کرنسی کو آن لائن خریدے اور وہ ورچوئل کرنسی اس کے برقی اکاؤنٹ میں اس طور پر محفوظ ہو جائے کہ یہ جب چاہے اس میں تصرف کرے تو یہ حکماً قبضہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ ورچوئل کرنسی کا مادی طور پر کوئی وجود نہیں ہے، لہٰذا اس پر قبضہ حقیقی یا حکمی کچھ بھی متحقق نہیں ہوگا کہ قبضہ ان اشیا میں ہوتا ہے جو از قبیل اعیان ہوں۔ احکام القرآن للعلام ابی بکر الجصاص الرازی قدس سرہ میں ہے: "**الدين هو حق لا يصح فيه قبض وانما يتاتى القبض في الاعيان**" (ج۲ص۱۶۱): واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) سوال: ون کوائن Onecoin میں منافع حاصل کرنے کا جو پہلا طریقہ مذکور ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ ون کوائن سے منافع حاصل کرنے کا پہلا طریقہ جو سوال نامہ میں تفصیل سے درج ہے، ناجائز وگناہ ہے۔ اگر کسی مسلمان نے اس میں اپنا سرمایہ لگا دیا ہے تو جلد تر ہر ممکن کوشش کر کے اپنا سرمایہ واپس لے لے: واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) سوال: ون کوائن Onecoin میں منافع حاصل کرنے کے دوسرے طریقے کی تین صورتیں ہیں۔ ہر ہر صورت کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: ون کوائن میں منافع حاصل کرنے کے دوسرے طریقہ کی جو تین صورتیں ہیں۔ سوال نامہ میں مذکور وہ تمام صورتیں قمار کے حکم میں ہیں اور ناجائز ہیں: واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) سوال: تمام ممبران کے کوائنز کو کسی مقررہ تاریخ پر دگنا کرنے کی

شرعی حیثیت کیا ہے؟ جوا ہے، منافع ہے، یا کیا ہے؟
الجواب: یہ قمار کے حکم میں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم
(۷) سوال: اہم سوال یہ ہے کہ اگر کوئی اس کمپنی میں صرف کوائنز حاصل کرنے کے لیے رکنیت حاصل کر لے اور Networking کے ذریعہ مزید لوگوں کو رکن نہ بنائے تو کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح ہوگا؟
الجواب: ایسا کرنا جائز و صحیح نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم
(۸) سوال: اس طرح کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ یورپ، امریکہ وغیرہ میں عوام کے ساتھ ساتھ بہت سے علما بھی بڑی تیزی کے ساتھ اس میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں تو کیا عرف وتعامل مان کر جواز کی صورت نکل سکتی ہے؟
الجواب: اس طریقے پر نہ عرف ہے اور نہ تعامل تو بر بنائے عرف وتعامل جواز کی کوئی صورت بھی نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

نشست سوم: ۱۹/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مطابق ۷/ اپریل ۲۰۱۸ء

(۱) سوال: نمازی کے آگے سے گزرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟
الجواب: باتفاق رائے طے ہوا کہ مسجد صغیر میں نمازی کے آگے سے دیوار قبلہ تک بلاسترہ گزرنا سخت ناجائز و گناہ اور مکروہ تحریمی ہے۔ فقہائے نے اسی کو بطور تغلیظ حرام سے تعبیر فرمایا ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
(۲) سوال: مسجد کبیر وصغیر میں فقہا کے اقوال کی روشنی میں واضح فرق تحریر فرمائیں۔
الجواب: بعض فقہائے کرام کا قول مختار یہ ہے کہ ۶۰/ (ساٹھ) گز وسیع وعریض مسجد، مسجد کبیر ہے، مگر اعلیٰ حضرت کا مختار یہ ہے کہ جو مسجد نہایت وسیع وعریض جس میں مثل صحرا اتصال صفوف شرط ہے، جیسے مسجد قدس اور مسجد خوارزم ہے، ان کے علاوہ مسجدیں مسجد صغیر ہیں۔

(۳) سوال: مسجد نبوی شریف اور مسجد حرام کیا اب توسیع وتعمیر جدید کے بعد مسجد کبیر کے حکم میں ہیں؟
الجواب: اس کے جواب میں باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ اب مسجد نبوی اور مسجد حرام مسجد کبیر ہوگئی ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے جامع قدس کو مسجد کبیر مانا، جس کا کل رقبہ ۱۴۴۰۰۰/ ایک لاکھ چوالیس ہزار مربع میٹر ہے، اور مسجد نبوی اور مسجد حرام کا کل رقبہ جامع قدس کے رقبہ سے کئی گنا زیادہ ہے، کیونکہ مسجد حرام کا کل رقبہ ۳۵۶۰۰۰/ تین لاکھ چھپن ہزار مربع میٹر ہے، اور مسجد نبوی شریف کا کل رقبہ ۳۶۵۰۰۰/ تین لاکھ پینسٹھ ہزار مربع میٹر ہے تو یہ دونوں مسجدیں بدرجہ اولیٰ مسجد کبیر ہیں: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
(۴) سوال: مسجد کبیر کی بنا پر کیا ان میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی اجازت ہوگی؟
الجواب: باتفاق رائے طے ہوا کہ مسجد کبیر میں موضع سجود سے آگے گزرنا جائز ہے اور موضع سجود کا مطلب اعلیٰ حضرت نے یہ تحریر فرمایا ہے:
''موضع سجود کے یہ معنی کہ آدمی جب قیام میں اہل خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے، جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع سجود میں ہے''۔ (فتاوی رضویہ ج سوم ص ۴۰۳) لہٰذا مسجد حرام اور مسجد نبوی میں موضع سجود سے آگے بلاسترہ گزرنے کی اجازت ہے: واللہ تعالیٰ اعلم
(۵) سوال: اگر اجازت ہو تو کس قدر فاصلہ سے گزرنے کی اجازت ہوگی؟ اور کیا اس پر عمل ہوسکتا ہے؟
الجواب: فقہائے کرام نے مسجد کبیر میں جتنے فاصلے سے گزرنے کی اجازت دی ہے، وہی فاصلہ یہاں بھی معتبر ہے، لیکن آج عام مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ اس فاصلہ کا لحاظ کر کے گزرنا محال نہیں تو دشوار اور مشکل ضرور ہے: واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) سوال: طواف کے لیے مطاف تک پہنچنے اور صرف مسجد حرام میں نماز کے لیے جانے کی صورت میں گزرنے کا حکم یکساں ہوگا یا فرق رہے گا؟

الجواب: ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے جواب پر آئندہ سیمینار میں غور کیا جائے گا۔

(۷) سوال: کیا عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنا پر بھی اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟

الجواب: جب یہ متحقق ہے کہ اب یہ دونوں مسجدیں بھی مسجد کبیر ہیں تو موضع سجود کے آگے سے گزرنا مطلقاً جائز ہے، اس کے لیے ابتلائے عام یا دفع حرج کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں، اگر موضع سجود کے اندر کے علاوہ کسی اور جگہ سے گزرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہاں سے بھی گزرنے کی اجازت ہوگی۔ **الضرورات تبیح المحظورات**: واللہ تعالیٰ اعلم

(۸) سوال: مسجد نبوی شریف یا مسجد حرام شریف میں نماز ودیگر عبادت کی جو فضیلت ہے، وہ کس حصے سے متعلق ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کی جو حد تھی، اس سے متعلق ہے یا پورے حدود حرم سے؟

الجواب: باتفاق رائے طے ہوا کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک جتنا حصہ مسجد نبوی میں شامل ہوا، بلکہ آئندہ بھی شامل ہوگا وہ سب مسجد نبوی ہے اور اس میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے وہ فضیلت وثواب حاصل ہوگا جو اصل مسجد نبوی میں عبادت کرنے کا ہے۔ ہاں ،افضل یہ ہے کہ اصل مسجد نبوی میں عبادت کی جائے۔

نشست چہارم: ۲۰/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مطابق ۸/ اپریل ۲۰۱۸ء

(۱) سوال: تجارت کرنے یا اسے فروغ دینے اور معاشی حالت سدھارنے یا اسے بہتر بنانے کے لیے اپنی دوکان ومکان، زمین وپلاٹ وغیرہ بروقت حاجت یا بلا حاجت نفع دینے کی شرط پر قرض لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: باتفاق رائے طے ہوا کہ بوقت حاجت شدیدہ سودی قرض لینا جائز ہے، اور محض تجارت کو فروغ دینے اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بینکوں سے قرض لینا اس شرط پر جائز ہے کہ لینے والے کو ظن غالب ہو کہ بینک کو انٹریسٹ (interest) کے نام پر دی جانے والی رقم سے کہیں زیادہ نفع کما لے گا۔ یونہی اگر ظن غالب ہو کہ تجارت کے لیے بینک سے قرض نہ لینے کی صورت میں کسی طور پر قانونی دشواری میں پڑ سکتا ہے اور ایسی صورت میں اسے خطیر رقم دینی پڑے گی تو بھی بینک سے قرض لینے کی اجازت ہے۔ ردالمحتار میں ہے:" **ان مرادهم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظر الى العلة** "(ج۴/ص۱۸۸) فتح القدیر میں ہے:" **فالظاهر ان الاباحة تفيد نيل المسلم الزيادة وقد التزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم** "(ج۷/ص۳۳۹) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) سوال: کیا نیلام شرعاً بیع ہے؟ اگر وہ بیع ہے تو وہ بیع موقوف ہے، یا فاسد یا بیع بالجبر؟ جو بھی ہو، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: بینک کے بعض عملہ سے معلوم ہوا کہ لون پاس ہونے سے پہلے ایک فارم پر لون لینے والے کو دستخط کرنا ہوتا ہے جس میں وہ بینک کو اجازت دیتا ہے کہ عدم ادائیگی کی صورت میں بینک اپنا قرض ان جائیدادوں کو بیچ کر حاصل کر لے، جن کے کاغذات بینک میں جمع ہیں۔ اس تفصیل کی روشنی میں اجازت سابقہ کی بنیاد پر نیلام بیع صحیح ونافذ ہے، اور جہاں پہلے سے اجازت نہ ہو، وہاں بیع اجازت مالک پر موقوف ہے اور جہاں کوئی اجازت دینے والا نہ ہو، اس صورت میں نیلام بیع باطل ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''جو نیلام باجازت مالک ہے، مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلاً ۱۱۰/سو روپے قرض تھے ،۱۱۰/ایک سو دس میں نیلام ہوا، ۱۰/دس کہ زائد تھے، مالک کو دیے گئے۔ اس نے قبول کر لیے تو اب یہ جائز ہو گیا۔ اگر چہ ابتداءً نا جائز تھا: '' **فان الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة** '' اور

جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں، وہ عقد فضول ہے اور اجازت مالک پر موقوف رہے گا۔ اگر جائز کردے، جائز ہو جائے گا۔ رد کردے، باطل ہو جائے گا اور جب تک اجازت نہ دے، اس شئی میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا: **فان العقد الموقوف لا يفيد الحل**" کمانص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ۔ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو، جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہے، ورنہ سرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجازت دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا، ابتداءً باطل ومردود ہوگا **۔فان تصرف الفضولی حیث لا مجیز باطل اصلا کما نص علیہ فی الدر وغیرہ–واللّٰہ سبحانہ تعالی اعلم**"۔(ج۷رص۱۳: رضا اکیڈمی)

بہار شریعت میں ہے:"عقد رہن میں بیع مرہون کی وکالت شرط تھی کہ مرتہن یا فلاں شخص اس چیز کو بیع کردے گا، اس وکیل کو راہن اگر معزول کرنا چاہے، نہیں کرسکتا یعنی معزول کرے تو بھی معزول نہیں ہوگا اور یہ وکالت ایسی ہے کہ نہ راہن کے مرنے سے ختم ہو، نہ مرتہن کے مرنے سے اور اس وکیل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ راہن یا مرتہن کی موجودگی میں بیع کرے، نہ یہ ضروری کہ وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کی موجودگی میں بیع کرے"۔(حصہ ۱۷،ص۱۶۱،بحوالہ ہدایہ) ہدایہ اخیرین میں ہے:"**واذا وكل الراهن المرتهن اوالعدل او غيرهما ببيع الرهن عند حلول الدين فالوكالة جائزة لانه توكيل ببيع ماله وان شرطت في عقد الرهن فليس للراهن ان يعزل الوكيل وان عزله لم ينعزل لانها لما شرطت في ضمن عقد الرهن صار وصفا من اوصافه وحقا من حقوقه الا ترى انه لزيادة الوثيقة فيلزم بلزوم اصله ولانه تعلق به حق المرتهن وفي العزل اتواء حقه وصار كالوكيل بالخصومة بطلب المدعي**"(ص۵۲۲رکتاب الرہن)

(۳) سوال: نیلام میں خریدی گئی اشیا کا استعمال اور ان کی بیع در بیع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: جن صورتوں میں بیع صحیح ہے، چاہے اجازت سابقہ کی بنیاد پر یا لاحقہ کی بنیاد پر، ان صورتوں میں نیلام میں خریدی گئی اشیا کا استعمال اور ان کی بیع جائز و درست ہے، جیسا کہ جواب نمبر۲ر میں نقل کی گئی فتاوی رضویہ کی عبادرت سے ظاہر ہے۔ البتہ بیع موقوف کی صورت میں اگر بیع در بیع ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں مالک جس بیع کی اجازت دے گا، وہی بیع صحیح ہوگی۔

فتاوی رضویہ میں ہے:" جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے، وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر ۱۰۰رسو بیعیں کیے بعد دیگرے ہوں، سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا، نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہو سکے...... الی ان قال۔ ہاں، بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے، نافذ ہو جائے گی جب کہ بائع ومشتری ومبیع قائم ہوں ۔فتاویٰ قاضی خاں وفتاویٰ عالمگیر یہ وغیر ہما میں ہے:"**اذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على اجازة المالک ويشترط لصحة الاجازة قيام العاقدين والمعقد عليه**"(ج۷رص۵۳): واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴) سوال: نیلام کرنے والا خواہ وہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو، یا کوئی فرد خاص ہو، کمپنی یا اس کے ذمہ داروں کا وکیل بالبیع ہوسکتا ہے؟ اور کیا اسے اشیا کی واجبی قیمت سے کم پر نیلام کرنے یا خود ہی اسے خرید لینے کی اجازت ہوگی؟

الجواب: نیلام کرنے والے کے حق میں اگر مالک مال کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً توکیل پائی گئی ہے تو وہ وکیل بالبیع ہوگا، ورنہ نہیں۔ اب اگر مالک کی طرف سے وکیل مطلق ہے تو صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک واجبی قیمت اور معمولی نقصان کے ساتھ بھی فروخت کرسکتا ہے، جب کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک معمولی نقصان کے ساتھ بھی اجازت نہیں اور اگر کوئی قیمت متعین کر دی گئی ہے تو اس سے کم پر فروخت کرنا بالاجماع ناجائز ہے۔

☆☆☆☆☆

سرکار سرکانہی: حیات وخدمات

مفتی رحمت علی تیغی مصباحی بانی وسربراہ جامعہ عبداللہ بن مسعود (چوباگا: کلکتہ)

قطب الزماں امام العارفین حضرت الحاج الشاہ محمد تیغ علی قادری مجددی آبادانی فریدی مجیبی مظفر پوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعروف بہ ''سرکار سرکانہی'' (۱۳۰۰ھ-۱۳۷۸ھ) صوبہ بہار کی ایک عظیم روحانی شخصیت اور ولی کامل ہیں۔ سلسلہ تیغیہ کا آغاز آپ ہی کی ذات گرامی سے ہوا۔ آج آپ کے مریدین ومتوسلین کا بہت بڑا حلقہ ریاست بہار، بنگال، اتر پردیش و دیگر علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ بیرون ہند بھی آپ کے وابستگان موجود ہیں۔

علمائے اہل سنت و جماعت سے آپ کے بڑے عمدہ مراسم وتعلقات تھے، خصوصاً خلیفہ اعلیٰ حضرت ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ-۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء) سے آپ کے روابط ومراسم بہت اچھے تھے۔ آپ کے فیض یافتگان میں بھی علمائے دین کا ایک بڑا طبقہ شامل ہے۔ آپ سنی صحیح العقیدہ، قادری مشرب اور حنفی المسلک تھے۔ آپ وہابیت و دیوبندیت کو سخت ناپسند فرماتے۔ جب ضلع مظفر پور (بہار) میں وہابیت و دیوبندیت کی تبلیغ واشاعت کی خبر ملی تو آپ نے فروغ سنیت کے لیے دار العلوم علیمیہ انوار العلوم (سرکانہی شریف) قائم فرمایا۔ حضرت سرکار سرکانہی قدس سرہ العزیز کی حیات وخدمات پر متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ سوانحی خاکہ سپرد قلم کیا جاتا ہے، تاکہ چند اوراق میں حالات وخدمات سے واقفیت وآشنائی حاصل ہوجائے۔

ولادت باسعادت

حضرت سرکار سرکانہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت باسعادت سال ۱۳۰۰ھ میں اپنے آبائی وطن موضع گوریارہ ضلع مظفر پور (بہار) میں ہوئی۔ گوریارہ، سرکانہی شریف سے دو میل کے فاصلہ پر جنوبی سمت میں واقع ہے۔

حلیہ مبارک

چہرہ مبارک بارعب، رنگ گندمی، سر متوسط، آنکھیں سرگیں، ناک سڈول اور پتلی قدرے اٹھی ہوئی، دانت چھوٹے اور چمکدار، لب نہ موٹے، نہ زیادہ پتلے، سر کے بال باریک وملائم، سینہ متوسط، گردن پرگوشت، بدن گھٹا ہوا، قد میانہ اور موزوں، بھویں باریک اور پتلی، پاؤں نہ زیادہ بڑے، نہ بہت چھوٹے، متوسط مقدار کے تھے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے متصل موضع ہر پور مچیا ضلع مظفر پور میں ہوئی۔ آپ کے استاذ حضرت مولانا سبحان علی صاحب مرحوم موضع ہرپور مچیا ضلع مظفر پور (بہار) کے باشندہ تھے۔ مولانا سبحان علی صاحب فارسی زبان کے بڑے ماہر استاد تھے۔ جب حضرت سرکار سرکانہی کو مکتب میں داخل کیا گیا تو استاذ موصوف آپ کی عادات وخصائل کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور آپ کے اوصاف حمیدہ کو دیکھ کر استاذ کے دل میں آپ کی بڑی محبت پیدا ہوگئی۔ وہ نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ اس ہونہار شاگرد کی تعلیم وتربیت فرمانے لگے۔ موضع ہرپور مچیا کے چھوٹے بڑے، مرد وعورت ہر کوئی آپ سے محبت کرتے۔ آپ کے اوصاف وعادات نے ہر کسی کو آپ کا گرویدہ بنادیا تھا۔ ناظرۂ قرآن مجید، اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے اسی گاؤں میں حاصل فرمائی۔

حضرت مولانا سبحان علی مرحوم بچوں کو اردو کے جملوں

کو فارسی میں ترجمہ کرنے کی مشق کراتے تھے۔ایک دن آپ نے بچوں کو فرمایا کہ اس جملہ کی فارسی بناؤ۔''ڈھنڈورا شہر میں ،لڑکا بغل میں''۔ ہر طالب علم اپنی استعداد کے مطابق اس کا فارسی ترجمہ کر کے اپنی اپنی کاپی استاذ موصوف کے پاس جمع کر دیا۔حضرت سرکار سرکا نہی قدس سرہ العزیز نے بھی اپنی کاپی جمع فرمادی۔آپ نے فارسی ترجمہ اس طرح فرمایا تھا:''خدا نزدا ست می جوید بصحرا''(اللہ تعالیٰ قریب ہے اور وہ جنگل میں تلاش کرتا ہے) استاذ نے جب آپ کی کاپی دیکھی ،اور آپ کا ایسا خوبصورت ترجمہ دیکھا تو خوشی ومسرت سے جھوم اٹھے اور فرمایا کہ بلاشبہہ یہ ہونہار لڑکا مستقبل قریب میں یکتائے روزگار اور دانائے اسرار پروردگار ہوگا۔

جب یہاں آپ کی ابتدائی تعلیم مکمل ہوگئی تو آپ کے چچا جناب اکبر علی مرحوم نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل کر دیا۔ یہاں مولانا محمد حنیف مرحوم متوطن تھانہ مہوا ضلع مظفر پور(بہار) مدرس تھے۔آپ مولانا حنیف صاحب مرحوم کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔آپ نے مولانا موصوف سے فارسی کی بڑی کتابیں گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی، مالا بدمنہ، بہار عجم، انشائے خلیفہ پڑھیں ۔ اسی درمیان آپ نے عربی پڑھنا بھی شروع کیا۔ابھی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے والد گرامی کی وفات ہوگئی۔

آپ کے چچا محترم نے آپ کو مکان بھیج دیا۔گاؤں آنے کے بعد آپ کو گھریلو ذمہ داریوں اور اپنے کھیتوں کی کاشت کاری میں مصروف ہونا پڑا۔اس طرح تعلیم کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ چند سالوں بعد آپ کے چچا نے آپ کو کلکتہ بلا لیا اور طلب معاش میں لگا دیا ۔آپ کو بچپن سے کتب بینی اور مطالعہ کا شوق تھا،اس لیے آپ رات کو بعد نماز عشا اپنی پڑھی ہوئی درسی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔درسی کتابوں کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کا بھی مطالعہ فرماتے رہتے، یہاں تک کہ آپ کو دینی علوم میں کمال حاصل ہوگیا۔

بیعت طریقت

ایام طفولیت سے ہی حضرت سرکار سرکا نہی قدس سرہ العزیز کا طبعی میلان روحانیت کی طرف تھا۔آپ نے اپنے ابتدائی استاد حضرت مولانا سبحان علی مرحوم سے اپنے عہد طالب علمی میں اوراد ووظائف کی تعلیم کا شوق ظاہر فرمایا۔مولانا موصوف بھی ایک ولی کامل کے مرید اوراذ کار ووظائف کے پابند تھے۔آپ نے سرکار سرکا نہی کی گذارش پر انہیں چند جلالی اذکار کی اجازت مرحمت فرمائی۔سرکار سرکانہی پابندی وقت کے ساتھ بلاناغہ اوراد ووظائف پڑھنے لگے۔ساتھ ہی کسی شیخ کامل کی تلاش کا جذبہ بھی دل میں بیدار رہا۔

جب آپ کلکتہ میں ملازمت کررہے تھے،تو آپ کو خبر ملی کہ ایک پیر کامل حضرت مولانا شاہ سمیع احمد مونگیری علیہ الرحمۃ والرضوان خلیفہ پنجم قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سرکار حافظ شاہ فرید الدین آروی قدس سرہ العزیز کلکتہ جلوہ افروز ہوئے ہیں اور محلّہ بری پاڑہ میں قیام پذیر ہیں۔آپ بعد نماز مغرب بغرض ملاقات اپنی قیام گاہ سے روانہ ہوکر محلّہ بری پاڑہ پہنچے۔سلام ودست بوسی کے بعد آپ باادب کھڑے ہوگئے۔حضرت شاہ صاحب قبلہ نے ایک نظر آپ پر ڈالی اور فرمایا: بیٹھ جاؤ۔

شاہ صاحب قبلہ نے دریافت فرمایا: بابو! کہاں مکان ہے؟ کدھر چلے ہو؟ آپ نے عرض کیا :حضور !مکان مظفر پور ہے اور یہاں چنوبستی (کلکتہ) میں رہتا ہوں۔آپ کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کچھ تعلیم بھی پائے ہو؟ آپ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا:حضور! میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تعلیم حاصل کررہا تھا کہ میرے والد گرامی کی وفات ہوگئی اور گھریلو ذمہ داریوں کے سبب تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا۔شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ کہاں تک تعلیم ہوئی ؟ آپ نے زیر درس کتابوں کے نام بتائے ۔شاہ صاحب قبلہ نے آپ کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: سبحان اللہ، ما شاء اللہ۔خوش رہو، کتابیں مطالعہ میں رکھو۔ فاللہ خیر حافظا وہو ارحم الراحمین ۔دست مبارک آپ کے سر پر لگتے ہی سارے جسم میں سنسنی پھیل گئی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

آپ نے عرض کیا:حضور! مجھے اپنی غلامی میں داخل فرمالیں

۔حضرت شاہ صاحب قبلہ نے شرف بیعت سے سرفراز فرما کر سلسلہ آبادانیہ فریدیہ کی تعلیم فرمائی اور فرمایا: جاؤ، پھر کل شام کو بعد نماز مغرب یہاں آ کر حلقے میں شامل ہونا۔آپ وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب صاحب کسی طرف سے سامنے آ گئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے سامنے سے نکل گئے۔

نرگس اندر باغ حیراں ازنگاہ مست تو
چشم آہو در بیاباں ازنگاہ مست تو

آپ چند لمحہ خاموش کھڑے رہے، پھر اپنی قیام گاہ آ گئے۔رات کا کھانا کھا کر آپ سو گئے۔اسی رات خواب میں سلسلہ کے چند بزرگوں کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔دوسرے دن بعد نماز مغرب پیر ومرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ ذکر میں شریک ہوئے۔ذکر واذکار ختم ہونے کے بعد آپ نے شب گذشتہ کا خواب اور درمیان راہ مجذوب کا پیش آنے والا واقعہ اپنے شیخ ومرشد سے بیان فرمایا۔شاہ صاحب قبلہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔آپ ہر دن بعد نماز مغرب اپنی قیام گاہ چنوبستی سے بری پاڑہ تک پیدل جاتے۔تقریباً چار میل کا فاصلہ دونوں کے درمیان تھا۔آپ روزانہ حلقہ ذکر میں شریک ہوتے اور نماز عشا ادا فرما کر اپنی قیام گاہ واپس آتے۔آپ مکمل توجہ کے ساتھ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو چکے تھے۔جن اذکار ووظائف کی تعلیم دی جاتی، آپ ان کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا فرماتے۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کا یہ آخری کلکتہ کا سفر تھا۔جب آپ اپنے وطن مالوف خان پور مونگیر واپس آنے لگے تو حضرت سرکار سرکانہی نے روتے ہوئے آپ سے عرض کیا: حضور! اب اس غلام کو کیا حکم ہوتا ہے؟ شاہ صاحب قبلہ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے، اور آپ کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا: گھبراؤ نہیں، اطمینان رکھو اور عارف باللہ حضرت شاہ مولیٰ علی لعل گنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب اشارہ کر کے فرمائے کہ تم ان کے پاس آتے جاتے رہو گے۔تمہاری تکمیل سلوک انہیں سے ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر تمام حاضرین سے دعا کرائی، پھر آپ مونگیر کے لیے روانہ ہو گئے۔ایک مدت بعد سال ۱۳۳۰ھ میں مونگیر میں شاہ صاحب قبلہ واصل الی اللہ ہو گئے: انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت سرکار سرکانہی علیہ الرحمہ اپنے شیخ طریقت کو رخصت کر کے اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔اپنے شیخ کی جدائی سے بہت ہی بے چین تھے۔شام کے وقت بعد نماز مغرب حضرت شاہ مولیٰ علی لعل گنجی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچ کر حلقہ ذکر میں شریک ہوئے۔آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ روزانہ آپ بعد نماز مغرب حضرت مولیٰ علی لعل گنجی کی خدمت میں حاضر ہوتے، حلقہ ذکر میں شریک ہوتے اور بعد نماز عشا اپنی قیام گاہ پر آ کر کھانا کھاتے، تھوڑی دیر آرام کرتے، پھر رات کے پچھلے پہر اٹھ کر اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا فرماتے۔اوراد ووظائف پڑھ کر فاتحہ خوانی وایصال ثواب کرتے۔صبح کو کسب معاش میں لگ جاتے۔یہی آپ کے شب وروز کا مشغلہ تھا۔

جب سال ۱۳۳۰ھ میں آپ کے شیخ طریقت حضرت شاہ سمیع احمد مونگیری علیہ الرحمۃ والرضوان کی وفات ہو گئی تو سرکار سرکانہی اس سے حد درجہ متأثر ہوئے اور آپ نے اپنی ملازمت ترک کر کے مستقل طور پر حضرت شاہ مولیٰ علی لعل گنجی کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا، اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہو گئے۔آپ نے شاہ مولیٰ علی لعل گنجی کی خوب خدمت فرمائی، جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔جب ریاضت ومجاہدہ کرتے ہوئے بائیس سال ہو گئے تو ۲: جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ کو مقام خان پور ضلع مونگیر (بہار) میں پیر طریقت حضرت مولانا شاہ سمیع احمد مونگیری قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک کے موقع پر مجمع عام میں حضرت شاہ مولیٰ علی لعل گنجی قدس سرہ العزیز نے آپ کے سر مبارک پر اپنے دست اقدس سے دستار خلافت باندھی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر شیخ طریقت کے مزار اقدس پر لے گئے اور عرض کیا: لیجیے، جو حضور کا حکم تھا، اس کی تعمیل کر کے حاضر خدمت کر دیا۔اب حضور کو اختیار ہے۔

حضرت سرکار سرکانہی جب کبھی اس واقعہ کا تذکرہ فرماتے

تو کہتے کہ اس وقت یہ بات میری سمجھ میں آئی ،جو پیرومرشد شاہ صاحب قبلہ نے کلکتہ سے روانگی کے وقت فرمائی تھی کہ تم انھیں (حضرت شاہ مولیٰ علی لعل گنجی علیہ الرحمہ) کے پاس آتے جاتے رہوگے۔تمہاری تکمیل سلوک انھیں سے ہوگی ۔خلافت کے بعد لوگ جوق درجوق آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے لگے،اور آپ رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے۔

دوسرے سال آپ اپنے پیرومرشد کے عرس میں تشریف لے گئے ۔رات کو جب سب لوگ سوگئے تو آپ مزاراقدس پر حاضر ہوکر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔عالم کشف میں آپ نے دیکھا کہ مزار پاک سے حجاب اٹھ چکا ہے اور حضرت مولانا شاہ سمیع احمد علیہ الرحمۃ والرضوان اندر سے بہت سے چھوٹے بڑے صندوق انتہائی خوشی وشادمانی کے ساتھ آپ کو عطا فرمارہے ہیں اور کہہ رہے ہیں:''لومیاں جی! یہ سب میں تمہیں دیتا ہوں''۔آپ ان سب کو لے کر اپنے برادر طریقت محمد سلیمان شاہ محمد پوری کو دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں:''سلیمان!ان سب کو جمع کرو''۔خلاصہ یہ کہ حضرت شاہ مولیٰ علی قدس سرہ العزیز نے اپنے شیخ ومرشد کی ہدایت کے مطابق آپ کی تکمیل سلوک فرماکر شیخ کے حوالے کردیا اور شیخ طریقت نے خانقاہ قادریہ آبادانیہ فریدیہ کی سینہ بہ سینہ ودیعت کی جانے والی نعمت باطنی سے آپ کو مالا مال فرمادیا۔

تبلیغ وہدایت

خلافت واجازت حاصل ہونے کے بعد حضرت سرکار سرکانہی قدس سرہ العزیز مسلمانوں کی رہنمائی اور خلق خدا کی خدمتوں میں مصروف ہوگئے۔زندگی کا زیادہ حصہ سفر میں گذرا ،لیکن آپ کی عبادت وریاضت اور اوراد ووظائف میں کچھ کمی نہ آئی۔آپ کی خدمات دینیہ کے دوعہد ہیں(۱)عہد اول:موضع گوریارہ میں قیام کے زمانہ کی خدمات (۲)عہد دوم:سرکانہی شریف منتقل ہونے کے بعد کی خدمات۔

گوریارہ میں اقامت گزینی کے عہد میں آپ نے مسلمانوں کی ظاہری اصلاح کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔مظفرپور کے دیہاتی علاقوں میں لوگ احکام شرع سے زیادہ واقف نہیں تھے۔بعض غلط رسوم ورواج میں بھی مبتلا تھے۔آپ دیہاتوں میں گھوم پھر کر انہیں اسلامی احکام بتاتے اور ان احکام پر پابند عمل کرنے کی کوشش فرماتے۔اس اصلاحی وتبلیغی گشت کا بڑا عمدہ نتیجہ رونما ہوا۔مسلمان دینی احکام سے بھی واقف وآشنا ہوئے اور اس پر عمل پیرا بھی ہوئے۔

سال ۱۳۵۵ھ میں آپ گوریارہ سے منتقل ہوکر سرکانہی شریف ضلع مظفرپور آگئے۔مسجد سے متصل خانقاہ شریف تعمیر ہوئی ۔آپ مرجع خلائق ہوگئے۔زائرین وطالبین اس کثرت کے ساتھ آتے کہ خانقاہ شریف کی عمارت تنگ ہوجاتی۔سرکانہی شریف سے آپ نے عظیم دینی وتعمیری خدمات کا آغاز فرمایا۔ان علاقوں میں فتنہ وہابیت ونجدیت وبائی مرض کی طرح پھیلتا جارہا تھا۔وہابیوں ،دیوبندیوں کے مدارس بھی قائم ہورہے تھے۔مظفرپور میں اہل سنت وجماعت کا کوئی تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔

یہ دیکھ کر آپ ہمیشہ فکر مند رہتے۔آخرکار وہابیت کے سیلاب کو روکنے کے لیے آپ نے ایک عظیم دینی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور سرکانہی شریف میں خانقاہ شریف کے پاس ادارہ کا سنگ بنیاد ۱۹۴۳ء میں رکھا۔جلد ہی تعمیری کام مکمل ہوگیا اور یہ تعلیم گاہ ''دارالعلوم علیمیہ انوارالعلوم'' کے نام سے موسوم ہوئی۔وہاں سے تعلیمی وتبلیغی ودیگر دینی خدمات انجام پانے لگی۔

چونکہ سرکانہی شریف مظفرپور شہر سے آٹھ میل کی دوری پر مغربی سمت واقع ہے۔بیرونی طلبہ کی آمدورفت ،قیام وطعام اور دارالعلوم کے اسباب وضروریات کی فراہمی میں دشواری پیش آتی تھی ،اس لیے ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم کی ایک شاخ شہر مظفرپور سے متصل ''دامودر پور'' میں قائم کی گئی۔طلبہ کے قیام وطعام اور شعبہ عالمیت کے درجات کی تعلیم کا وہیں انتظام کیا گیا۔سرکانہی شریف میں مقامی اور آس پاس کے علاقوں کے طلبہ کے لیے ابتدائی تعلیم ،حفظ قرآن اور ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کا انتظام کیا

گیا۔ یہ دونوں مدرسے آج تک دینی و تعلیمی خدمات بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔فارغین کی کثیر تعداد دینی خدمات میں مصروف عمل ہے۔

مذہب اہل سنت و جماعت کی پابندی لازم

حضرت سرکار سرکانہی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے قائم کردہ دارالعلوم علیمیہ انوارالعلوم سرکانہی شریف اور دارالعلوم کی شاخ دامودر پور مظفر پور کے اساتذہ واراکین و منتظمین کے لیے وصیت نامہ میں تحریر فرمایا کہ ان تمام کا سنی صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہوگا اوراس وصیت نامہ پر اکابر علمائے اہل سنت و جماعت کو موصوف نے گواہ بنایا۔یہ وصیت نامہ دارالعلوم علیمیہ دامودر پور مظفر پور کے جلسہ دستار بندی ۱۳۷۱ھ کے موقع پر تحریر کیا گیا-آپ نے دونوں اداروں کے قیام وتعمیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔وصیت نامہ کا اہم حصہ مندرجہ ذیل ہے۔

''اس سلسلہ میں خاص طور پر مجھے اس امر کی وصیت کرنی ہے کہ جس طرح اس وقت اس مدرسہ کے اراکین اور منتظمین اہل سنت و جماعت ہیں ،اسی طرح ہمیشہ اسی مذہب کے پیرو اراکین و منتظمین ہوتے رہیں گے،اوراسی طرح مدرسہ کے تمام مدرسین بھی اسی مذہب کے متبع ہوں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ میں عقیدۃً وعملاً حنفی اور مشرباً قادری ہوں ۔میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امکان کذب سے منزہ ومقدس ہے۔نہ جھوٹ اس کی صفت ، نہ وہ بول سکتا ہے،اوراللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضور مکرم نور مجسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔ میں ندائے یارسول اللہ ، یاغوث کا قائل ہوں۔میں ان حضرات کو دربار الٰہی میں اپنا وسیلہ جانتا ہوں۔ان کی شفاعت کا قائل ہوں۔میں ان حضرات سے دونوں زندگیوں میں استمداد وتوسل کو جائز مانتا ہوں۔میں میلاد شریف اور قیام وسلام کا قائل ہوں۔میں فاتحہ گیارہویں اورعرس وغیرہ کو جائز مانتا ہوں۔میں عملاً مطلقاً ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کو ضروری سمجھتا ہوں اوران میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہوں۔

حضرات اراکین و منتظمین ومدرسین کا اسی تفصیل کے ساتھ سنی حنفی ہونا ضروری ہے ،اوریہی حضرات اس مدرسہ کے اہل حل وعقد شمار کیے جائیں گے۔میں اپنے مالک ومولیٰ سے اس کے محبوب بندوں کے طفیل میں دعا کروں گا ۔وہ مالک ذوالجلال والاکرام ہم کو اور ہمارے احباب کو خدمت دین متین اور حمایت مذہب اہل سنت کا جذبہ عطا فرمائے: آمین بجاہ حبیبہ النبی الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اجمعین

العبد:فقیر محمد تیغ علی غفرلہ قادری آبادانی مجیبی
مقام سرکانہی خانقاہ،ضلع مظفر پور
مورخہ:۱۲: شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ

(۱) گواہ شد:محمد ظفر الدین قادری رضوی سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ محلّہ شاہ گنج ڈاکخانہ:مہندرو،پٹنہ/۱۲:شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ

(۲) گواہ شد:فقیر قادری عبد الحفیظ حقانی مفتی آگرہ :مورخہ ۱۷:اپریل ۱۹۵۲ء

(۳) گواہ شد:غلام محی الدین غفرلہ مدرس مدرسہ علیمیہ انوارالعلوم دامودر پور مظفر پور

(۴) العبد سید الزماں حمدوی ۱۷:اپریل ۱۹۵۲ء

(۵) فقیر شمس الدین: ڈاک خانہ،رکسہاں ضلع غازی پور ،مورخہ:۴: ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

(انوار قادری ص ۴۵،۴۶:از حافظ شاہ محمد حنیف قادری آبادانی فریدی)

وفات پر ملال

یکم ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ شب چہارشنبہ بعد نماز مغرب ۶:بج کر ۳۵:منٹ پر آپ واصل الی اللہ ہوئے۔دوسرے دن بعد نماز ظہر جنازہ کی نماز ادا کی گئی۔کثیر تعداد میں لوگ شریک جنازہ ہوئے۔حافظ شاہ نور محمد صاحب محمد پوری نے صاحب سجادہ کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھائی ۔خانقاہ سرکانہی شریف سے متصل مقبرہ میں آپ مدفون ہوئے۔آپ کی والدہ مخدومہ اوراہلیہ محترمہ بھی وہیں مدفون ہیں۔

جانشینی وخلافت

حضرت سرکار سرکانہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی آل واولاد (بیٹے وبیٹیوں) کی وفات آپ کی زندگی میں ہوگئی تھی۔آپ نے اپنے بھانجے حضرت شاہ محمد ابراہیم علیہ الرحمہ کوخلافت واجازت عطا فرما کراپنا جانشیں مقرر فرمادیا۔برادران طریقت کوخلافت واجازت بھی عطا فرمائی۔حضرت حافظ شاہ محمد حنیف قادری آبادانی فریدی، حضرت سرکار سرکانہی کے خلفا میں سے ہیں۔انہوں نے حضرت سرکار سرکانہی کے حالات وکوائف تحریر فرمائے۔یہ تالیف ''انوار قادری'' کے نام سے مشہور ہے۔اس حیات نامہ پر درج ذیل چار مشاہیر علمائے اہل سنت کی تقریظات ہیں۔

(۱) استاذ العلما حضرت علامہ محمد احسان علی صدیقی رضوی
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام (بریلی شریف)

(۲) حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی
بانی الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور)

(۳) مجاہد دوراں حضرت علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی
سابق ممبر پارلیامنٹ (انڈیا)

(۴) حضرت علامہ سید عبدالمسجود وجودالقادری ربانی جبل پوری
(سجادہ نشیں آستانہ سرکار امانت باندوی علیہ الرحمہ)

تقریظ حافظ ملت قدس سرہ العزیز

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

جامع شریعت وطریقت شیخ المشائخ محبوب الاولیا الحاج حضرت شاہ محمد تیغ علی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز ایک خدارسیدہ اور بلند پایہ بزرگ تھے۔موصوف نہایت دیندار، دین پرور، متبع سنت اوراعلیٰ حضرت قبلہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے مسلک کے پابند تھے۔اتباع سنت آپ کی عادت کریمہ تھی۔اپنے مریدین ومعتقدین کوبھی اتباع سنت کی تعلیم دیتے تھے۔رشدوہدایت آپ کا منصب ہی تھا۔اشاعت مذہب اورتبلیغ دین کے دلدادہ تھے۔انوار العلوم علیمیہ دامودر پور جواس وقت ایک وزنی اورمعیاری دارالعلوم ہے۔خاص آپ کی کریمانہ توجہ کانتیجہ ہے۔موصوف ہی کی سعی بلیغ سے یہ دارالعلوم اس بلندی پر پہنچا۔مولائے قدیر حضرت قبلہ کی اس یادگار کوروزافزوں ترقی عطا فرمائے،اور حضرت ممدوح کا یہ فیض ہمیشہ جاری رکھے: آمین

مجھے دوبار آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔آپ کو باخدا بزرگ پایا۔ایسے ہی بزرگوں سے خوارق عادات کا صدور کرامت ہے۔مولیٰ تعالیٰ آپ کے فیوض وبرکات سلسلہ بسلسلہ تاقیامت جاری رکھے: آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین: فقط عبدالعزیز عفی عنہ

تقریظ محدث بریلی علامہ احسان علی رضوی

ماشاءاللہ،مؤلف نے کمال کوشش سے حضرت شاہ صاحب قبلہ موصوف کی سوانح عمری تحریر فرمائی۔مولیٰ تعالیٰ قبول فرما کراس کا صلہ خاص عطا فرمائے۔میری بھی دوران ملازمت مدرسہ دامودر پور میں حضرت سرکار موصوف سے بارہا ملاقات ہوئی۔بڑے خلیق اورمحبّ العلما اور متبع مذہب اہل سنت اورسنن نبویہ کے ازحد پابند تھے۔فقیروں میں ایسا پابند احکام شریعت بہت کم نظر آئے: واللہ اعلم

فقیر احسان علی عفی عنہ فیض پوری

۴: شوال ۹۷ھ جمعہ

تم مسلماں ہو! یہ انداز مسلمانی ہے؟

از: مولانا محمد اشرف جیلانی، جامعہ قادریہ حیات العلوم (شہزاد پور: اکبر پور)

بابری مسجد کا مقدمہ 25: سال سے ہندوستانی سیاست کے اعصاب پر سوار ہے۔ تمام سیاسی پارٹیوں نے اس معاملہ کو طول دے کر اپنی سیاسی دکان چمکائی اور مسلمانوں کا استحصال کیا۔ اس معاملہ میں اب تک ہزاروں فسادات ہوئے۔ عورتیں بیوہ ہوئیں۔ بچے یتیم ہوئے۔ مسلمانوں کی عزت وآبرو سر بازار نیلام کی گئی۔ دکانیں جلائی گئیں۔ کاروبار زندگی تاراج کیے گئے۔ ان سب کے باوجود قوم مسلم نہایت ہی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے عدالتی فیصلے کا انتظار کر رہی ہے۔ جب الہ آباد ہائی کورٹ نے بابری مسجد کا فیصلہ سنایا تھا اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا تو ہر فریق نے انکار کیا اور اس معاملہ کو سپریم کورٹ تک لے جانے کی بات کہی تھی۔

اب جب کہ سپریم کورٹ کا بھی فیصلہ آنے والا ہے تو عقل مندی یہی تھی کہ اس فیصلہ کو دیکھ لیا جاتا، پھر کوئی قدم اٹھایا جاتا، لیکن اس سے قبل مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک سینئر ممبر سلمان ندوی کا مضحکہ خیز بیان سامنے آیا، جس میں مسلمانوں کو اپنی مسجد منتقل کرنے کی بات کہی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ پلک جھپکتے نہیں ہوا، بلکہ منصوبہ بند طریقے سے کام کیا گیا۔ اس کے پیچھے آر ایس ایس کی پوری لابی کام کر رہی تھی۔ ایسے حالات تیار کیے جا رہے تھے کہ مسلم قوم خوفزدہ ہو کر جھکنے پر مجبور ہو جائے اور قانونی لڑائی سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ چونکہ عدالت کے باہر سمجھوتہ کرنے میں بی جے پی کا دوطرفہ فائدہ ہو سکتا تھا۔ ایک یہ کہ بی جے پی ۲۰۱۹ء کے الیکشن میں اس کا کریڈیٹ اپنے سر سجا کر ہندو ووٹ بینک کو متحد کر سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ موجودہ حالات میں بدعنوانی اور رشوت خوری کی وجہ سے بی جے پی کی پکڑ کمزور ہوتی جا رہی ہے، اس لیے وہ نہیں چاہے گی کہ عدالت کے ذریعہ کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ آئے اور ملک کے حالات مزید خراب ہوں۔ ساتھ ہی عالمی سطح پر رسوائی اور مسلم ممالک سے تعلقات کی کمزوری کا خدشہ اپنی جگہ ہے۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ بی جے پی نفرت کے خمیر سے جنم لینے والی پارٹی ہے۔ اس کے باوجود نوٹ بندی، جی ایس ٹی کے بعد اب تیسرا گناہ اپنی کمر پر لادنے میں کمزوری محسوس کر رہی ہے، اس لیے اس نے ہندوتوا کے ایک متشدد پرچارک شری شری روی شنکر کو یہ کام سونپا۔ اس کے لیے انھیں مسلمانوں کے اندر ایک ایسے میر جعفر کی تلاش تھی جو یہ کام بخوبی انجام دے سکے۔ اس سلسلے میں انھیں زیادہ دقت پیش نہیں آئی اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اسی مسلک سے ایک مشہور ومعروف فرد کے ساتھ معاملہ طے کر لیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ ندوی نے ایسا کیوں کہا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ابوبکر بغدادی کی حمایت میں خط لکھنے کی وجہ سے سی بی آئی کا خوف دلایا گیا ہو، یا مال ودولت کی ہوس نے ایسا کرنے پر مجبور کیا، یا ندوی اپنی جماعت کی موروثی عادت کا شکار ہو گیا؟ حالانکہ الہ آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ آیا تھا تو بڑے شد ومد کے ساتھ ندوی نے مسجد کی منتقلی یا اس کی تقسیم کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کیا تھا۔ 16: اپریل 2001 کو علمائے کرام کو بلا کر مسجد کی بازیابی کے لیے علما سے دستخط حاصل کیا اور قانونی لڑائی لڑنے کے لیے پرجوش تحریک چلائی تھی۔

ندوی نے شری شری روی شنکر سے ملاقات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے تین اہم باتوں کا ذکر کیا تھا (۱) اول: جن لوگوں نے بابری مسجد منہدم کیا، ان کو سزا ملنی چاہئے۔ (۲) دوم: مسجد کی موجودہ 70: بیگھہ زمین کے بدلے میں ایک سو چالیس 140: بیگھہ زمین مہیا کی جائے، جہاں یونیورسٹی اور مسجد کی تعمیر ہو سکے۔ (۳) سوم: معاہدہ پختہ ہونا چاہئے۔ سپریم کورٹ سے رجسٹرڈ ہونا چاہئے اور یہ اعلان ہو

کہ کسی مسجد، مدرسہ، درگاہ، قبرستان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہو۔
شری شری روی شنکر سے ملاقات سے کچھ قبل اور بعد بھی ندوی نے کچھ ایسے بیانات بھی دیئے تھے جو ہر زندہ دل مسلم کی حوصلہ شکنی کے لیے کافی تھے۔ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اب ہمیں کورٹ پر زیادہ بھروسہ نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ اب تک ہمیں انصاف کے بدلے میں دھوکہ اور فریب ہی دیا گیا ہے، الہٰذا ہم کورٹ کے فیصلہ کو اپنے حق میں آنے کے امید نہ رکھیں۔ کہیں اور مسجد بنانے کے لیے زمین کا مطالبہ کریں۔
سلیمان ندوی نے جس کورٹ سے مسلمانوں کو باز رہنے کی اس نے بات کی ہے، اسی کورٹ سے کچھ انصاف ملا ہے۔ کسی بھی جمہوری ملک میں سب سے آزاد اور طاقت ور محکمہ عدلیہ کا ہوتا ہے۔ اب اس سے نیچے اتر کر انصاف کی امید رکھنا فضول ہے۔ ندوی کا یہ کہنا کہ بابری مسجد شہید کرنے والوں کو سزا ضرور ملنی چاہیے تو سوال یہ ہے کہ یہ سزا کون مقرر کرے گا؟ چونکہ ندوی نے قانونی چارہ جوئی کی مخالفت کی ہے۔ ندوی نے کہا کہ مقدمہ کے سبب ہندو مسلم کے درمیان منافرت فروغ پا رہی ہے۔ جب ندوی نے روی شنکر سے ملاقات کی تھی، اس وقت یہ معاملہ بھی اٹھانا چاہیے تھا کہ ملزمین کی سزا بھی عدالت کے باہر ہی طے کر لی جائے۔
ندوی کا یہ کہنا کہ ہم مسجد کی موجودہ زمین کے عوض میں دوگنی زمین کا مطالبہ کریں گے۔ یہ سودے بازی کا حق کس نے ندوی کو دیا ہے؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ مسجد اللہ کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس کی خرید و فروخت اور منتقلی ہرگز جائز نہیں۔ فقہ حنبلی کا حوالہ دے کر ندوی نے کم پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان غلط فہمی پھیلائی اور اسلام کی رسوائی کا سامان مہیا کیا۔ ندوی کا یہ فارمولا بھی تعجب خیز ہے کہ معاہدہ پختہ کرنے کے لیے سپریم کورٹ سے معاہدہ کو رجسٹرڈ کرایا جائے۔ ندوی نے پہلے ہی کورٹ کو غیر معتبر ٹھہرا دیا، اسی لیے کورٹ کے باہر معاملہ طے کرنے کا فارمولا تیار کیا، ایسی صورت میں کورٹ میں معاہدہ نامہ رجسٹرڈ کرانے سے کیا فائدہ؟

فقہ حنبلی کے ذریعہ مغالطہ دینے کی کوشش

ندوی نے فقہ حنبلی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ فقہ حنبلی میں یہ گنجائش موجود ہے کہ مسجد دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے۔ دراصل ندوی نے مفاد پرستی اور چاپلوسی میں اتنا فاصلہ طے کر لیا ہے کہ اس نے فقہ حنبلی کے تمام جزئیات چھوڑ کر صرف ایک جزئیہ کا من چاہا مطلب نکال کر مسجد کی منتقلی کا اعلان کر دیا۔
جب کہ فقہ حنبلی کی ایک معتبر کتاب میں صاف طور پر لکھا ہے کہ مسجدیں فروخت نہیں کی جائیں گی، البتہ اس کے آلات کچھ شرطوں کے ساتھ منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ (المغنی: ج۵ص۶۳۷) ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مسجدیں ویران ہوجائیں، وہاں مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جائے اور آئندہ بھی اس کے آباد ہونے کی امید نہ ہو تو بحالت مجبوری اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔
(الشرح الکبیر: ج۶ص۲۲۵)
ندوی نے فقہائے حنابلہ کی تمام عبارتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے مذکورہ قول دوم کو بنیاد بنا کر اپنا مقصد پورا کرنے کی کوشش کی ہے، جب کہ خود متاخرین حنابلہ نے اس دوسرے قول کو متفرد قرار دیا ہے، اور اس کے خلاف فتویٰ بھی دیا ہے۔ یہاں معاملہ صرف مسجد کی منتقلی کا نہیں، بلکہ اس جگہ کو غیر خدا کی عبادت کے لیے دینا بھی لازم آئے گا جو کہ سراسر شریعت کے خلاف ہے۔ فقہ حنبلی میں اس تعلق سے یہ صراحت موجود ہے کہ کسی کے لیے اپنا گھر ایسے شخص کو دینا جائز نہیں، جو اسے عیسائی یا یہودی عبادت گاہ بنالے، یا اس میں شراب کی دکان یا جوئے کا مرکز بنالے۔ (المغنی: ج۵ص۴۰۴) ایک دوسری کتاب میں ہے کہ مکان کو چرچ یا آتش پرستوں کی عبادت گاہ یا شراب کی دکان یا جوئے کے مرکز کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ گناہ میں مدد کرنا ہے۔
(کشاف القناع: ج۳ص۹۵۵)
جب فقہ حنبلی میں اپنا گھر غیر خدا کی عبادت کے لیے دینا جائز نہیں تو خدا کے گھر کو غیر اللہ کی عبادت کے لیے دینا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ کسی عبارت سے خود ساختہ مطلب نکالنا اور فقہی ہمہ دانی کا ڈھنڈورا پیٹنا تمام مسلمانوں کی رسوائی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ ساتھ ہی ندوی نے اس معاملہ کو امن و آشتی کا غلاف پہنا کر مسلمانوں کو اپنے فریب میں پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ (باقی صفحہ۱۲/پر)

قومی مسائل **قسط ہفتم**

دینی مسائل اور ملی مسائل

طارق انور مصباحی

{tariqueanwer313@gmail.com}

دینی مسائل سے وہ امور مراد ہوتے ہیں جن کا تعلق مذہب اسلام سے ہو،اور ملی مسائل سے وہ امور مراد لیے جاتے ہیں،جن کا تعلق اہل اسلام سے ہو۔شرعی مسائل واحکام اور دین ومذہب کے متعلقات ''دینی مسائل'' کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں،اور قوم مسلم کے سیاسی، سماجی،معاشی،جغرافیائی حالات وحوادثات کا شمار ''ملی مسائل'' میں ہوتا ہے۔ان امور کو ''مسلم مسائل'' بھی کہا جاتا ہے۔اسی طرح دینی مسائل کو اسلامی مسائل،مذہبی مسائل اور شرعی مسائل بھی کہا جاتا ہے۔

اس اصطلاح کی جانب توجہ کی ضرورت اس لیے درپیش ہوئی کہ اب علمائے کرام کو دونوں قسم کی خدمات انجام دینی ہے۔خلافت عباسیہ کے عہد وسطیٰ میں جب خلفائے بنی عباس نے سیاسی،سماجی،معاشی،فوجی ودفاعی مسائل کو اپنے پاس رکھا اور شرعی احکام ومسائل کی ذمہ داری کے لیے ایک نیا عہدہ ''شیخ الاسلام'' کے نام سے وضع کر دیا،اسی وقت سے علمائے اسلام رفتہ رفتہ شرعی امور تک محدود ہوتے گئے۔

درحقیقت خلافت عثمانیہ ترکیہ میں ضعف آتے ہی عالمی پیمانے پر ''مسلم مسائل'' کا مفہوم انسانی ذہنوں میں گردش کرنے لگا۔پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے موقع پر سقوط ترکی کے سبب جہاں بھر میں مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔سال ۱۹۴۸ء میں صیہونی ریاست ''اسرائیل'' کا قیام مسلمانان عالم کے سینوں میں خنجر گھونپنے کے مترادف قرار پایا۔نائن/الیلیون (11:ستمبر ۲۰۰۱ء) کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر (امریکہ) پر حملہ کے بعد مسلمانان عالم پر الزامات ومظالم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد حالات پر نظر ڈالیں تو جہاں بھر میں مسلمانوں کا منظم قتل عام ہوتا نظر آئے گا۔اسی درمیان دنیا بھر میں پیغمبر اسلام حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وبے ادبی کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا۔یہ تمام اتفاقی حادثات نہیں ہیں، بلکہ اس کے پس پردہ ایک مستحکم اور منظم تحریک کام کر رہی ہے۔ان سازشوں کو نیست ونابود کرنے کا خیال نہ کبھی مسلم حکومتوں کو آیا،نہ ہی علمائے کرام اس جانب متوجہ ہو سکے،جو قوم مسلم کے فطری لیڈر تسلیم کیے جاتے ہیں۔مشہور ہندوستانی مؤرخ تاراچند نے علما کے بارے میں لکھا۔

''مسلمانوں کے قدرتی اور روایتی لیڈران یعنی مولوی اور علما'' (تاریخ تحریک آزادی ہند ج ۴ ص ۹۱۶:قومی اردو کونسل دہلی)

عہد حاضر میں مسلم ممالک میں بھی علمائے اسلام کو ملی مسائل کی جانب متوجہ ہونا پڑے گا،تاکہ مسلم ممالک کے ارباب اقتدار،کارکنان اور اہل حکومت کی صالح رہنمائی کر سکیں اور غیر مسلم ممالک میں انہیں کچھ زیادہ بیدار اور چوکنا رہنا پڑے گا،تاکہ وہ ملی مسائل کے حل کی کوشش کر سکیں۔عالمی پیمانہ پر بھی علمائے کرام کی مضبوط تحریک ہوتی تو بڑا کام ہو سکتا تھا۔خلافت عثمانیہ ترکیہ کی حفاظت کے لیے ہندوستانی مسلمانوں نے سال ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء ایک عظیم تحریک چلائی تھی،حالانکہ ترکی اور ہندوستان میں بڑا طویل مسافتی فاصلہ ہے،اور اس عہد میں ذرائع ابلاغ

بھی اس قدر تیز رفتار نہ تھے، جیسا کہ آج موبائل، انٹرنیٹ، ٹی وی، وغیرہ کے سبب کہیں اپنا پیغام پہونچانا سیکنڈوں کا کام ہے۔علمائے اہل سنت و جماعت کوتحریک خلافت کے اصل مقصد یعنی خلافت ترکیہ کے تحفظ وصیانت سے کچھ اختلاف نہ تھا، بلکہ تحریک خلافت کے خلاف اسلام حرکات سے انکار تھا۔اگر یہ تحریک شریعت اسلامیہ کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے حصول مقصد کی کوشش کرتی تو یقیناً ہمارا تعاون اسے حاصل ہوتا۔

دانشوران ہند درج ذیل امور کی جانب توجہ دیں

(۱)اغیار کے قبضہ سے مساجد کا تحفظ (۲) مکتب وانجمن کی تعلیم کا استحکام (۳) مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام میں تجدید کاری (۴) خطبات جمعہ کے ذریعہ قوم کی ہمہ جہت رہنمائی (۵) مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ریلیف فنڈ کا اہتمام (۶) غریب بچیوں کی شادی کا نظم (۷) تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے حصول ملازمت کی کوشش ورہنمائی (۸) سول سروسز کے امتحانات کی جانب تعلیم یافتگان کی ترغیب اور امتحان کی تیاری کا اہتمام (۹) غربا ومساکین کے لیے امدادی فنڈ کا نظم (۱۰) مسلمانوں کو تبدیلی مذہب سے روکنا (۱۱) دہشت گردی کے نام پر جھوٹے مقدمات میں پھنسے مسلم نوجوانوں کی قانونی چارہ جوئی (۱۲) الیکشن کے موقع پر مسلمانوں کی صالح رہنمائی (۱۴) مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کا دفاع (۱۵) اغیار کی جانب سے قوم مسلم کی جان، مال، عزت وآبرو پر ہونے والے حملوں کا قانونی دفاع (۱۶) مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کی جانے والی تنقیدوں کا قانونی دفاع (۱۷) اقوام ہند کے مابین شریعت اسلامیہ کی روشنی میں یکجہتی کا فروغ (۱۸) تجارت وتعلیم کی جانب مسلمانوں کی ترغیب (۱۹) مسلمانوں کے پبلک اسکولوں میں دینی تعلیم کا رواج وفروغ (۲۰) مسلمانوں کے درمیان اخلاق وعمل کی ترغیب (۲۱) عقائد اہل سنت کی سائنٹفک تفہیم (۲۲) علما کی معاشی حالت پر غور وفکر

نوٹ : ہر مسلم تنظیم اگر دو تین خدمت اپنا لے تو کام آسانی سے ہوسکتا ہے۔کسی عظیم تنظیم کا قیام بھی مشکل نہیں۔میگزین میڈیا کا ایک حصہ ہوتا ہے۔قوم کی ذہن سازی اصحاب میڈیا کا فرض ہے۔عملی اقدام اور قوم کی صالح رہنمائی دو مستقل کام ہیں۔اگر ایک فرض ادا نہ ہوسکے تو دوسرا فرض بھی ترک کر دینا یقیناً غلط ہے۔حدیث نبوی میں ہے کہ ہاتھ، یا زبان سے برائی دور کی جائے، یا کم از کم دل میں برائی سے نفرت کی جائے۔

مجاہد ملت، سمستھا کیرلا ورضا اکیڈمی

ریاست کیرلا میں سمستھا کیرلا (سنی جمعیۃ العلما) کے جنرل سکریٹری کی حیثیت ''امیر المومنین'' کی طرح ہوتی ہے۔سمستھا کیرلا کا مالی فنڈ اسلامی بیت المال کی طرح ہوتا ہے، جس سے قوم مسلم کی مختلف ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔ریاست کیرلا میں سمستھا کیرلا ہمہ گیر مذہبی خدمات سرانجام دیتی ہے۔حنفی دنیا میں رضا اکیڈمی (ممبئی) بھی مختلف قسم کی خدمات انجام دیتی ہے۔سنی حنفی علمائے کرام کے پاس نہ تو کوئی مستحکم وبااثر تنظیم ہے، نہ ہی تنظیمی ذہن کے افراد کی کثرت۔اگر کوئی پیش قدمی بھی کرے تو متعدد رکاوٹوں کے سبب کام زیادہ نہیں ہو پاتا۔

کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی بجائے تنقیص وتذلیل، ان سے قوم کو متنفر کرنا، ان کی شخصی حیثیات پر انگشت نمائی ودیگر امور قبیحہ کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔اپنی شخصیت سازی وخود نمائی اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی بدعت نے ہمیں ناکارہ بنا دیا ہے۔اگر کسی نے اپنی محنت سے معاش کی کوئی راہ نکالی تو حسد وبغض کے سبب اسے ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے۔یہی حاسدین بظاہر تمہارے خیرخواہ بنے پھریں گے۔نو فارغین کو چاہئے کہ کوئی معاشی ہنر سیکھ لیں، تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔یاد رکھو! تم حاسدین کے گھیرے میں ہو۔چند ہزار میں اہل وعیال کی کفالت ہوسکتی ہے، لیکن شادی بیاہ، امراض ومصائب میں آپ اندر سے ہل جائیں گے۔بچیوں کی شادی کا خرچ انسانوں کے ہوش ٹھکانے لگا دیتا ہے۔کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ خود کفیل بنیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ ہنر اور دستکاری کی رہنمائی کروں گا۔

مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن عباسی رئیس اعظم اڑیسہ ((۱۳۲۲ھ-۱۴۰۱ھ-۱۹۰۴ء-۱۹۸۱ء) زندگی بھر اسلام وسنیت کی خدمات

سرانجام دیتے رہے۔ ان کی زندگی کے مشاغل میں جہاں مدارس ومساجد کی تعمیر، بدمذہبوں سے مناظرے، تبلیغ دین وغیرہ متعارف امور ہیں، وہیں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشی رہنمائی بھی شامل ہے۔ اسی سبب سے ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ جیلوں میں گذرا۔ حضور مجاہد ملت قدس سرہ العزیز دنیائے سنیت کے ایسے مقبول قائد تھے کہ اکابرین بھی ان کی تعظیم وتوقیر بجالاتے۔ آپ تحریک مجسم تھے۔ ہر دکھ، درد میں قوم کے کام آنے والے رہنما، آپ کی شخصیت متنوع الجہات ہے، اور دین وسنیت کے لیے آپ کی سرفروشی قابل تقلید واتباع ہے۔

شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی کوشش اور ناکامی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں قادری (۱۲۹۲ھ-۱۳۶۲ھ-۱۸۷۳ء-۱۹۴۳ء) نے علمائے کرام کی ایک تنظیم بنانے کی کوشش کی، جس کے ذریعہ مسلمانوں کی سیاسی وسماجی خدمات سرانجام دینے کا منصوبہ تھا۔ عرس رضوی میں حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت امیدوں کے ساتھ اس کی تحریک بھی شروع کی، لیکن ناکامی ہوئی۔ اپنے فتاویٰ میں انھوں نے متعدد جگہ اس کی منصوبہ بندی ومقاصد کا ذکر اور ناکامی پر درد وکرب کا اظہار کیا ہے۔ فتاویٰ کی چند عبارتیں مرقومہ ذیل ہیں۔ حاجی عثمان رضوی (جودھ پور) نے مسلم لیگ سے متعلق 07: رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو سوال کیا تھا، حجۃ الاسلام قدس سرہ العزیز نے جواب محررہ 25: رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ میں رقم فرمایا۔

''عزیزم! میں نے تو اس بلائے عظیم کو دیکھتے ہوئے چاہا تھا کہ اہل سنت کی تشکیل ہوجائے، اور علمائے کرام ایک تنظیم کے تحت اپنی وہ آواز حق بلند کریں، جو حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز تھی، یعنی کفار ومشرکین سے موالات حرام ہونا، اور یہ آواز حضور پرنور ہی کی آواز نہیں، اللہ ورسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم کی صدائے برحق ہے۔

ہماری آواز پر اہل سنت لبیک کہیں گے، اور ہماری منظّم جماعت کی آواز ملک وقوم میں اپنے سر کے کانوں ہی تک نہیں، دلوں کی گہرائیوں میں اثر کرے گی۔ مسلمان لیگ وغیرہ کی رو میں نہ بہیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ ہم آواز ہوں گے۔ اس طرح ہم لیگ کے شریک نہ سمجھے جائیں گے، بلکہ لیگ ہماری آواز اٹھانے والی ہوگی۔ اس ''منظّم جماعت علما'' کی ہدایات لیگ اور تمام ادارات اسلامیہ کو مذہباً ماننا پڑیں گی۔ مسلمان ان مفاسد شرعیہ سے محفوظ ہوجائیں گے، جن کا خطرہ اب محسوس کیا جاتا ہے۔ عرس سراپا قدس امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو اکابر علمائے اہل سنت تشریف لائے تھے، میں نے ان سب کو جمع کر کے اس تنظیم کی تحریک کی تھی، مگر شومیٔ قسمت سے بعض حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ مجلس مشاورت سے انھوں نے اس تفریق کو نظر استحسان سے دیکھا۔

پیارے عثمان! کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں نے جو یہ راہ عمل نکالی تھی، اس میں کوئی شرعی نقص تھا؟ یا کوئی کفر وگمرہی کا راستہ تھا، جس کی یوں تخریب روا رکھی گئی؟ مجھے اس کی ان صاحبوں سے ضرور شکایت ہوئی، اور ہے۔ جب یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تو مجبوراً میں اور دوسرے صاحبان بھی اٹھ کر چلے آئے۔ زمانہ شناسی اگر ہوتی تو اس وقت دیوبندیوں پر بری بنی تھی۔ جگہ جگہ انھیں ذلت ورسوائی کا سامنا تھا۔ مسلمان ان سے متنفر ہورہے تھے۔ اگر یہ ''تنظیم علمائے اہل سنت'' ہوجاتی تو ہماری آواز نہ صرف کانگریس کے لیے زلزلہ افگن ہوتی، بلکہ احرار، جمعیۃ العلما (دہلی) اور تمام کانگریسی دیوبندی مولوی سب سے مسلمان جدا ہوکر اہل سنت کے ساتھ ہوتے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز حق بلند کرتے۔ ان کی سچی غلامی کا دم بھرتے۔ میں ضرور اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا اور اس وقت جو مہلکے کی حالت مسلمانوں کے لیے ہے، وہ کھلی آنکھوں کے سامنے ہے۔ مشرکین ہمارے دین اور مساجد کی توہین کررہے ہیں۔ قربانی گاؤ اور اذان جیسے شعائر دین بند کیے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کی جان ومال وعزت وآبرو سخت خطرے میں ہے۔ اسلام کے نام لیوا محض اس جرم پر کہ ''مسلمان'' ہیں، ذبح کیے جارہے ہیں۔ کیا اب بھی ضرورت شرعی کا تحقق نہیں ہوتا''؟ (فتاویٰ حامدیہ ص ۴۳۳، ۴۳۴: ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی شریف)

حاجی ابوبکر حاجی احمد صاحب (ممبئی) نے مسلم لیگ سے متعلق 21: رجب المرجب ۱۳۵۸ھ کو سوال کیا تھا، اس کے جواب میں حجۃ

الاسلام قدس سرہ العزیز نے بھی ملی اضطراب و بے چینی کا اظہار فرمایا۔ جواب کا ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

''کانگریس کی شاہی مسلمانوں کے لیے پیام موت تھی۔ اس کا مجھے قلق تھا، مگر علمائے اہل سنت کی طرف سے کوئی متفقہ آواز اس کے خلاف میں نہ اٹھی۔ یہ کام کا وقت تھا۔ کانگریسی مولوی اور دیوبندی اس وقت نہایت سخت ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گر رہے تھے۔ ان کی کانگریس میں شرکت مسلمانوں کو ان سے نفور کر رہی تھی۔ جگہ جگہ ان پر لوگ حملہ آور ہوئے۔ داڑھیاں پکڑ پکڑ کر کفش کاوی کرتے۔

مگر افسوس ہمارے علما کا جمود نہ ٹوٹا۔ ان کی کوئی آواز مسلمانوں کے کان تک نہ پہنچی۔ کوئی صاحب اسلامی جھنڈا لے کر نہ اٹھے کہ تمام سنی اس کے نیچے جوق در جوق آ جاتے اور ہماری ملک میں ایک آواز گونج جاتی۔ کفار و مشرکین، گمراہ، بددین جماعتوں کے مقابل خالص اہل سنت کا ایک محاذ قائم ہو جاتا۔ جماعت رضائے مصطفٰے بریلی شریف سے خبیث کانگریس کی شرکت کی حرمت پر ایک نہایت مدلل فتویٰ قرآن کریم کے براہین کے ساتھ شائع ہوا۔ حسین احمد وغیرہ تمام دیوبندی مولویوں کو میں نے بھی چیلنج دیا تھا کہ اس کی شرکت کا جواز ثابت کریں اور جن آیات قرآنیہ سے اس کی حرمت کا ثبوت دیا گیا ہے، ان کا جواب دیں۔ کانگریس کے مظالم اس قابل نہیں کہ مسلمان بھول سکیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے علمائے اہل سنت وزعمائے ملت وامنائے سنت وشریعت سوتے ہی رہے اور وقت ضائع کر دیا۔

میں نے عرس اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تنظیم اہل سنت کے لیے بہت سے اکابر علما کو جمع کر کے چاہا تھا کہ ہماری ایک متفقہ آواز ملک سے مسلمانوں کی حمایت کے لیے اٹھے، اور مسلمان ہمارے علما کی آواز پر لبیک کہیں اور بے دینوں کے پنجے سے اس طرح انہیں نجات ملے اور اغیار کی قیادت سے نکل کر علمائے اہل سنت کی قیادت میں ہم اپنا کام کریں، مگر اس کی تخریب کر دی گئی، جس کے مخرب ہمارے ہی بعض افراد تھے۔ یہ ہماری غایت درجہ کی ناعاقبت اندیشی اور زمانہ ناشناسی تھی''۔ (فتاویٰ حامدیہ ص ۴۴۴، ۴۴۵: ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی)

مشہور مؤرخ عبد الرحمٰن ابن خلدون (۷۳۲ھ-۸۰۸ھ) نے لکھا: {**ان العلماء ابعد عن السياسة و مذاهبها**} (تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۴۲: المکتبۃ الشاملہ) ترجمہ: علمائے اسلام، سیاست اور اس کے طریقوں سے بہت دور ہیں۔

اسلامی میگزین کے مضامین کیسے ہوں؟

''مذہبی مسائل'' پر قلمکاری کرنے والوں کی ایک طویل تعداد ہے۔ اب نسل جدید کو ''مسلم مسائل'' پر خامہ فرسائی کرنی چاہئے۔ میگزین میڈیا کا ایک حصہ ہوتا ہے، اسی لیے اس کا رجسٹریشن کیا جاتا ہے، اور پوسٹ آفس میں ترسیل وارسال کے لیے خصوصی مراعات دی جاتی ہے، جب کہ کتابوں کی اشاعت کے لیے نہ رجسٹریشن کی ضرورت ہوتی ہے، نہ ہی پوسٹ آفس کسی قسم کی رعایت دیتا ہے۔ میڈیا کا تعلق حالات حاضرہ واحوال موجودہ سے ہوتا ہے، گرچہ دیگر امور کی گنجائش بھی اس میں ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے وہی ''اسلامی مسائل'' اصل موضوع قرار پائیں گے، کہ حالات حاضرہ جن کا متقاضی ہو۔ ایسی صورت میں اصل کو ترک کر کے متعلقات وملحقات کو اصل مقصود بنا دینا عہد حاضر کے اسلامی ماہناموں کا فیشن اور قلم کاروں کا ایک خوبصورت ہنر بن چکا ہے۔ مذہبی ماہنامے تو ارخ ماضیہ کے عجائب خانے بن چکے ہیں۔

اردو زبان میں شائع ہونے والے تقریباً تمام اسلامی ماہنامے، پبلک میگزین (Public Magazine) ہیں۔ ان ماہناموں میں مضامین بھی عام قارئین کی ضروریات اور عقل وفہم کے مطابق ہونے چاہئے۔ خالص علمی اور تحقیقی مضامین پر ماہناموں کا مشتمل ہونا عام قارئین کی بے توجہی کا ایک بڑا سبب ہے۔ محض مضمون نگاروں کی علمی تحقیقات کی اشاعت کے لیے جو میگزین جاری کیا جائے، اس میں خالص علمی وتحقیقی مضامین کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) پبلک میگزین ہے۔ قلمکاروں کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔

میں 03: مئی ۲۰۱۶ء کو ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے تعارف کے لیے مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ: کیرلا) پہنچا۔ قمر العلما شیخ ابوبکر باقوی بانی مرکز الثقافۃ السنیہ (ک:ک) کے فرزند ارجمند عالی جناب ڈاکٹر عبد الحکیم ازہری ڈائریکٹر مرکز الثقافۃ السنیہ (ک:ک) سے

ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری نے دوران گفتگو مجھ سے فرمایا کہ کیرلا میں پندرہ روزہ ''سنی وائس'' (Sunni Voice) پچاس ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے، جبکہ آپ کے یہاں کے ماہنامے گیارہ سو کی تعداد میں چھپتے ہیں۔

خیال رہے کہ پندرہ روزہ ''سنی وائس'' ملیالم زبان میں چھپتا ہے، اس لیے اس کا دائرہ اہل کیرلا تک محدود ہے، جبکہ اردو ماہناموں کا دائرہ پورے ملک کو محیط ہے، پھر بھی وہ پچاس ہزار، یہ گیارہ سو؟ وہاں پندرہ روزہ کی تعداد پچاس ہزار سے آگے بڑھ رہی ہے، یہاں ماہانہ رسائل وجرائد گیارہ سو کی تعداد تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوتے ہیں۔ اس کا صریح مفہوم یہ ہوا کہ اردو ماہناموں کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا سبب اصلی یہی ہے کہ قارئین کا ذوق طلب جن مضامین کا متلاشی ہوتا ہے، وہ مواد ومضامین اردو ماہناموں میں دستیاب نہیں ہوتے، اس لیے قارئین ایسے ماہناموں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ رسائل وجرائد کے مدیرین کو حکمت عملی تیار کرنی چاہئے۔

اذان ولادت سے لے کر بعد موت سوم، چہلم وسالانہ فاتحہ تک قوم مسلم علمائے کرام کو طلب کرتی ہے، یعنی رب تعالیٰ نے علمائے کرام کے کردار کو مسلمانوں کے ''آغاز زندگی سے بعد موت تک'' وسیع فرمادیا ہے، لہٰذا علمائے کرام کو مسلمانوں کے شرعی امور کے علاوہ سماجی، سیاسی، طبی، معاشی معاملات ودیگر امور پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ ابھی درجنوں مسائل سے مسلمانان عالم ومسلمانان ہند دوچار ہیں۔ یہ مشکلات ومصائب ہر لحہ قوم مسلم کو ذلت وخواری اور تباہی وبربادی کی طرف دھکیل رہے ہیں اور قائدین قوم وملت ان کا چرچا بھی نہیں کرتے۔ گرچہ مسائل کا حل ان کی قوت سے باہر ہے، لیکن کیا وہ مسلمانان عالم کے شریک غم بھی نہیں ہوسکتے؟ کیا وہ کوئی عمدہ تدبیر بھی نہیں بتاسکتے؟ قلمکاران ومحررین ایسے حساس مسائل پر قلمکاری کریں، تاکہ عملی اقدام کی راہ ہموار ہوسکے۔ محررین ومقررین قومی انقلاب کے لیے خود کو آمادہ کریں۔

حالیہ چند سالوں میں متعدد قابل توجہ امور تھے، وہ درج کیے جاتے ہیں، تاکہ بات واضح ہوسکے، اور مستقبل کے لیے مثال بن جائے۔

(۱) طلاق ثلاثہ پر سپریم کورٹ میں مباحثہ وفیصلہ (۲) یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی حکومتی کوشش (۳) روہنگیا مسلمانوں پر برمی بدھسٹوں کے مظالم (۴) گئو رکشکوں کی دہشت گردی (۵) مسلم، دلت اتحاد (۶) بی جے پی حکومت کے قیام کے بعد کملیش تیواری سے سونو ڈانگرا تک توہین رسالت کا سلسلہ (۷) مرکز میں بی جے پی حکومت کے قیام کے بعد کشمیری مسلمانوں پر مظالم (۸) سپریم کورٹ میں بابری مسجد کیس کی سماعت (۹) روہنگیائی مہاجرین کو ملک بدر کرنے کی تجویز (۱۰) وندے ماترم، بھارت ماتا کی جے، جن من گن وغیرہ نعروں کے تاریخی حقائق (۱۱) ملک کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کی تبدیلی مذہب (۱۲) میڈیا کی غلط بیانی (۱۳) ریاستی انتخابات (۱۴) ہندو مسلم فسادات: وغیرہ

مجھ جیسے مفلوک الحال لوگ کیا کرسکتے ہیں؟ آہ وفغاں سے کیا ہونے والا ہے؟ جو لوگ زندگی بھر قوم سے ضخیم نذرانے وصول کرکے فارغ البال ہوچکے ہیں، وہ قوم کی بھلائی کے واسطے اپنے شیش محل سے کب باہر نکلیں گے؟ مسلمانوں کا قتل، خواتین اسلام کی عصمت دری، نوجوانوں کا اغوا، شریعت اسلامیہ پر حرف گیری......سب کچھ دیکھ کر خموشی کیوں!!! اگر کسی سنی عالم پر کوئی افتاد آپڑے تو کوئی پرسان حال نہیں۔

مخلص نوجوانو! اپنے بل بوتے کام کا آغاز کرو۔ قوم کے دلوں میں اپنی خدمات سے اعتماد بحال کرو۔ مخالفین سے دامن بچانے کی کوشش کریں۔ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اعتماد کرتے ہوئے پیش قدمی کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی حاصل ہوگی۔

محررین ومقررین سے خاص معروضات

عرض اول: رب تعالیٰ کے لیے اردو زبان میں صیغہ واحد کا استعمال علمائے اہل سنت وجماعت کا پسندیدہ امر ہے، تاکہ لفظ وصیغہ بھی وحدانیت پر صریح دلالت کرے۔ اب ہمیں صیغہ واحد کے استعمال کے ساتھ اس میں تعظیم وادب کا حد درجہ لحاظ کرنا چاہئے۔ وضاحت کے لیے چند مثالیں رقم کردی جاتی ہیں۔ ہر مثال میں ایک جملہ مرقوم ہے، پھر اس کی خوبصورت تعبیر درج ہے۔ آپ خود کو اس سعادت مندی سے محروم نہ فرمائیں، بلکہ عمدہ سے عمدہ ترین کی جانب مائل ہونے کو کوشش کریں۔ یہاں حسن تعبیر کی بحث ہے۔ جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں۔

(الف) اللہ کہتا ہے۔	اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
(ب) اللہ نے حکم دیا۔	اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔
(ج) اللہ نے پکارا۔	اللہ تعالیٰ نے ندا فرمائی۔

عرض دوم: غفلت شعاری کے سبب بعض قلمکاران، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''حضرت'' کا بھی استعمال نہیں کرتے، جبکہ عہد حاضر یا ماضی قریب کے علما ومشائخ کے لیے نصف درجن القاب کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ افسوسناک کیفیت ہے۔ چونکہ سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے خمیر ہی میں عشق مصطفوی شامل ہے، اس لیے توجہ اور خیال کے وقت یہ طرز تحریر قارئین پر یقیناً شاق گذرتی ہوگی۔ گرچہ ایسا لاشعوری طور پر ہوتا ہے، لیکن اس کے غیر مناسب ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ گرچہ ارباب نظر اس سے چشم پوشی کریں ،لیکن عاشق حبیب کبریا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری جیسے فنافی الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے متبعین کو یہ طریقہ کار زیب نہیں دیتا۔ ''**حسنات الابرار سیئات المقربین**'' بھی پیش نظر رہے۔ ہر معاملہ میں محض جواز وعدم جواز کی بحث غیر مناسب ہے۔

علمائے کرام کا بلاٹوپی بازاروں میں گھومنا پھرنا جائز ہے، لیکن گھومتے پھرتے نہیں، کیونکہ اچھا نہیں لگتا۔ اسی طرح بہت سے امور جائز ہیں، پر اچھے نہیں لگتے۔ الحاصل حضور اقدس رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ہماری یہ طرز نگارش قابل تحسین نہیں اور ہمیں اپنی تحریر وتقریر میں اس طریق کار سے احتراز کرنا چاہئے۔ اپنے اساتذہ ومشائخ کا نام آئے تو نصف درجن القاب استعمال کریں اور جب حضور اقدس افضل کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو بالکل سادہ انداز اپنائیں۔ امام احمد رضا قادری زندگی بھر عشق نبوی کا درس دیتے رہے اور دربار اعظم کے آداب سکھلاتے رہے۔ رفتہ رفتہ امام ممدوح سے بعد زمانی بڑھتا گیا اور ہمارے باطن میں اضمحلالی کیفیت پیدا ہوتی گئی۔ اب عہد حاضر میں قوم کو مذہب اہل سنت وجماعت کی فطرت اصلیہ وجبلت طبعیہ کی یاد دہانی کی ضرورت آپڑی ہے۔

افضل البشر بعد الانبیا والمرسلین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد رضا قادری تک تمام رہبران اسلام عشق نبوی کے پیکر کامل رہے ہیں۔ تمام رہنماؤں نے امت مسلمہ کو عشق وعمل کا درس دیا ہے، کیونکہ عمل بلا عشق مصطفوی (بلا حب فرض) قابل قبول نہیں۔ رہ گیا علم، پس اگر علم کے مطابق عمل ہے تو حامل علم کا شمار علما میں ہوگا، اور اگر علم پر عمل نہیں تو وہ علم قابل شمار نہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی (۴۰ھ-۹۵ھ=۶۶۰ء-۷۱۴ء) عہد تابعین میں عراق کا گورنر اور بڑا عالم وفاضل تھا، عدم عمل کے سبب اس کا شمار علما کے زمرہ میں نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ نے بےعمل عالم کو کتابیں اٹھائے ہوئے گدھے کے مماثل قرار دیا۔ اب ایسوں کے ذریعہ قوم کی کس قدر بھلائی کی امید رکھی جائے؟

{مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا} (سورہ جمعہ: آیت ۵)

ترجمہ: ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی، پھر انھوں نے اس کی حکم برداری نہیں کی، گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے (کنز الایمان)

عرض سوم: بدمذہبوں کے لیے تعظیمی القاب وآداب اور تعظیمی صیغوں کا استعمال بھی میرے دل کو کھٹکتا ہے۔ کیا جو لوگ حضور اقدس پیغمبر پیغمبراں صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی بے توقیری وبےادبی کریں، یا اس جرم کے مرتکبین کی تائید کریں، ایسوں کے لیے بھی ہمیں اپنے دلوں میں کچھ نرم گوشہ رکھنا چاہئے؟ ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں غور وفکر کرنا چاہئے۔ شریعت اسلامیہ میں کچھ فرائض وواجبات ہیں اور کچھ سنن ومستحبات بھی۔ بہت سے امور جائز ومباح ہیں۔ اسی طرح بعض امور خلاف اولیٰ بھی ہیں۔ میں نے پانچ سال قبل ماہنامہ کنز الایمان (دہلی) میں اپنے طریق کار کو مرقومہ ذیل لفظوں میں بیان کیا تھا۔ جو چاہے، اس طرز فکر کو اپنالے۔

''ماہنامہ ''کنز الایمان'' (جولائی ۲۰۱۲ء) میں جامعہ اشرفیہ سے متعلق ہمارے مضمون میں ظفر ادیبی کے نام کے ساتھ (صاحب) کا لاحقہ لگا ہوا ہے، یہ آپ کے کاتب کا اضافہ ہے۔ جو لوگ دربار رسالت سے منحرف ہیں، میں ان کے لیے تعظیمی الفاظ مثلاً ''مولانا، مولوی، صاحب، حضرت'' یا تعظیمی صیغے مثلاً ''آئے، گئے'' استعمال نہیں کرتا، اور اگر کہیں سہواً وخطاءً ایسا استعمال ہو چکا ہو تو اسے منسوخ سمجھا جائے۔

واضح رہے کہ جو دربار حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقطع ہے وہ مجھ سے منقطع ہے، خواہ وہ میرے تلامذہ واحباب میں سے ہو، یا میرے اساتذہ ومشائخ میں سے۔ نہ مجھے ایسے استاذ کی ضرورت ہے نہ ایسے شیخ کی اور نہ ہی ایسے دوست کی۔ استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ تو میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں اور وہی احب الاحباب ہیں: فالحمد للہ علیٰ ذلک: آمدہ بودیم از دریا بموج باز از موجے بدریا می رویم''۔
(ماہنامہ کنز الایمان (دہلی) شمارہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

شاید یہ ایک منفرد نظریہ ہے، جسے میں نے حالات حاضرہ پر غور وفکر کے بعد اپنایا۔ اس کی وجہ یہ کہ اب سماج میں بدمذہبوں کی جانب یک گونہ جھکاؤ محسوس ہوتا ہے۔ تصلب فی الدین پر کچھ سیاہ سائے پڑنے لگے ہیں۔ مسلم مسائل پر بدمذہبوں سے حسب ضرورت عملی اتحاد کیا جا سکتا ہے، لیکن اتحاد کے پس پردہ قلبی محبت ولگاؤ کی اجازت نہیں۔ اسلامی قانون **''ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا''** (الاشباہ والنظائرج اص ۸۶) ان مواقع پر ملحوظ خاطر رہے۔ نرم دل حضرات وہابیہ سے اتحادی معاملات میں عملی شرکت نہ کریں، وہ خود کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔

عرض چہارم: بلا ثبوت وبغیر حوالہ اپنی باتوں کو درج مضمون کرنا ارباب علم ودانش کی بے توجہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اہل علم کسی بھی بات کو قوی سے قوی ترین حوالوں کی روشنی میں جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ جب وہ کسی اہم بات کو دیکھتے ہیں تو انہیں اصل مرجع کی تلاش ہوتی ہے، تاکہ اس قول وکلام یا نکتہ ومسئلہ کو مضبوط حوالوں کے ساتھ محفوظ کرلیں اور بوقت ضرورت اسے اپنی تحریر وتقریر ودیگر مواقع پر استعمال کرسکیں۔ جب وہ ایسے اہم امور کو بھی حوالوں سے عاری دیکھتے ہیں تو ان میں بددلی پیدا ہوجاتی ہے۔

کیا آپ نے دیکھتے نہیں کہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز ایک عبقری شخصیت مانے جاتے ہیں۔ ان کا قول وتحریر بجائے خود ایک حوالہ ہے، لیکن وہ کسی بھی بات کو متعدد حوالوں کی روشنی میں پیش کرتے ہیں، بلکہ عموماً وہ حوالوں کی بارشیں برسا دیتے ہیں، تاکہ مستفیدین بطریق کامل مطمئن ہوجائیں، جبکہ حوالوں کے فقدان کے سبب علما ودانشوران کو طمانیت قلب حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات وہ خلجان میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ بعض افراد مذہب اہل سنت وجماعت سے بھی دور جانے لگتے ہیں۔ عہد حاضر کے بہت سے مقررین وخطبا کی تقریریں غیر معتبر وغیر مستند حوالوں پر مبنی ہوتی ہیں، یا محض مثالوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ عوام الناس تک عموماً ائمہ مساجد اور مقررین کی رسائی ہوتی ہے۔ وہ عوام کو راہ راست پر لانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ انہیں اپنا مطالعہ وسیع رکھنا چاہئے، تاکہ دلائل کی روشنی میں گفتگو ہوسکے۔

عرض پنجم: مضمون نگاروں کی یہ روش بھی میرے دل میں کھٹکتی ہے کہ وہ بخاری ومسلم ودیگر کتب احادیث کے حوالوں سے احادیث کے تراجم رقم فرما دیتے ہیں اور اصل عبارت درج نہیں کرتے۔ اگر اصل حدیث کی ضرورت ہو تو کیا قارئین ومستفیدین بخاری ومسلم کی ورق گردانی کریں؟ کیا ہر قاری واستفادہ کنندہ بخاری ومسلم سے تخریج حدیث کی قوت رکھتا ہے؟ کیا ہر ایک کو اتنی فرصت ہے کہ وہ ترجمہ آپ کے میگزین میں پڑھیں اور اصل حدیث کے لیے بخاری ومسلم کی جانب رجوع کریں؟ آپ اپنے مضمون میں ہی حاجت مند کی حاجت روائی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟ اصل عبارتیں بھی رقم کی جائیں اور انداز بیان بھی اس قدر سہل ہو کہ قارئین مندرجات کے مطالب کو سمجھ سکیں۔

عرض ششم: محررین ومقررین کی یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو حدیثیں معتبر کتب احادیث میں مرقوم ہیں، ان کے لیے اصل مراجع کو چھوڑ کر دیگر کتابوں کا حوالہ پیش کرتے ہیں، مثلاً بخاری ومسلم، صحاح ستہ ودیگر معتبر مجموعات حدیثیہ میں جو احادیث مبارکہ مرقوم ہیں، ان کے حوالہ کے طور پر عہد حاضر کی کتابوں کا نام پیش کرنا یا معتمد کتابوں کی بجائے غیر معتمد کتابوں کا حوالہ دینا یقیناً قابل توجہ امر ہے۔

عرض ہفتم: عہد حاضر میں فتویٰ نویسی کا مروجہ طریقہ، فتاویٰ رضویہ کے مطابق نہیں۔ فتاویٰ رضویہ یا اکابرین کی طرز کو دیکھ لیں، وہ فتاویٰ میں آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور اقوال فقہا نقل کیا کرتے۔ آج کل فتویٰ نویسی کے وقت صرف عہد حاضر کی کتابوں کو دیکھ کر فتویٰ لکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے ہر کوئی مطمئن نہیں ہو پاتا اور اکابرین اہل سنت کا یہ طریقہ کار نہیں، بلکہ فتاویٰ رشیدیہ کا طریقہ ہے کہ محض جواب لکھ دیا اور حوالہ ندارد۔ فتویٰ مختصر بھی ہو، اور فقہی کتب کی عبارتوں کے ساتھ قرآنی آیات واحادیث کریمہ سے بھی مزین ہو: واللہ الموفق وھو المعین ☆☆☆

گلوبلائزیشن {Globalization} ایک عالمی سازش

مولانا محمد ہاشم رضا قادری امجدی (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)

ترقی وکامیابی کی چاہت وخواہش انسان کی فطرت وجبلت میں داخل وشامل ہے۔ وہ ہر لمحہ ایک نئی چیز کو دیکھنا پسند کرتا ہے، لیکن ترقی اگر صالح تہذیب وتمدن کی تباہی وبربادی لے کر آئے تو وہ ترقی نہیں، بلکہ ناکامی ونامرادی ہے۔ اسی کی ایک کڑی گلوبلائزیشن Globalization ہے جو آج دیمک کی طرح انسانی ذہنوں سے چپک گیا ہے اور اسے نگلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جہاں آزاد خیال لوگوں کا ماننا ہے کہ گلوبلائزیشن انسانی حقوق کو صحیح طور پر انسانوں تک پہنچاتا ہے، وہیں صالح فکر افراد کا کہنا ہے کہ یہ عالم انسانیت کو بے حیائی اور برائی کی آگ میں جھونکنا ہے۔ اس کے صحیح نتیجے تک اسی وقت رسائی ممکن ہے جب ہم اس بات کو جان لیں کہ آخر یہ گلوبلائزیشن کیا ہے؟

گلوبلائزیشن کی تعریف اور اس کے مفہوم کے تعین میں اسلامی مدبرین اور مغربی مفکرین کا سخت اختلاف ہے۔ مختلف لوگوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں، مگر کوئی بھی تعریف ایسی نہیں جو اعتراضات سے محفوظ ہو۔

جان آرٹ اسکولٹ "John Art Scholt" نے اپنی کتاب "Globalization a critical introduction" میں: بین الاقوامی (Internationalization)، آزاد خیالی (Liberalization)، مغربیت (Westernization)، عالمگیریت (Universalization) اور دفاعیت (Deterritorialization) کی روشنی میں گلوبلائزیشن کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جان اسکولٹ نے اپنی کتاب میں جن پانچ تعریفات کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کا خلاصہ دو جملوں کے ارد گرد گھومتا ہے۔

(۱) پوری دنیا میں ایک تجارتی منڈی کا قیام (۲) پوری دنیا میں صرف ایک تہذیب کا وجود۔

گویا گلوبلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں موجود سرحدی رکاوٹوں کو ختم کر دیا جائے اور ایک تجارتی منڈی کا قیام عمل میں لایا جائے، یا پوری دنیا کی تہذیب وثقافت کو ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

گلوبلائزیشن کی تعریف Definition Of Globalization

مشہور انگریزی ڈکشنری ''آکسفورڈ'' کی تشریح کے مطابق گلوبلائزیشن ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ پوری دنیا ایک مارکیٹ بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سامان اور خدمات، سرمایہ کاری اور مزدوری کی دنیا بھر میں تجارت کی جاتی ہے، اور اس کی معلومات اور تحقیق کے نتائج ملکوں کے درمیان بہتے رہتے ہیں۔

"Globalization is the process by which the whole world becomes a single market. This means that goods and services, capital and labour are traded on a worldwide basis, and information and the results of research flow readily between countries."(Oxford)

گلوبلائزیشن Globalization کے لیے اردو لفظ ''عالمی بنانا'' یا ''عالمگیریت'' استعمال کیا جاتا ہے جس کے نام سے ہی واضح ہو رہا

ہے کہ یہ ایک عالمی سطح کا کام ہے۔مشہور ماہر سماجیات مارٹن البرا (Martin Albrow) اور ایلیزابیتھ کنگ(Elizabeth King) نے گلوبلائزیشن کے بارے میں کہا:

"All those processes by which the people of the world are incorporated into a single world society."(Globalization, Knowledge and Society London 1990).

گلوبلائزیشن کی تاریخ History of Globalization

لفظ''گلوبلائزیشن'' کا استعمال اہل لغت کے ذریعہ 1980 سے کیا جاتا رہا ہے، حالانکہ 1960 کے دور میں اس کا استعمال سماجی علوم (Social Sciences) میں کیا جاتا تھا، لیکن 1980 سے 1990 تک یہ زیادہ مشہور نہ تھا۔گلوبلائزیشن کا اولین استعمال ایک امریکی وزیر چارلس تیز رسیل (Charles Taze Russell) کے ذریعے 1897 میں ملتا ہے جس نے سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال کیا۔ (Battle of Armageddon)-گلوبلائزیشن کو ایک لمبے عرصے سے ایسے عمل کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو انسانی افزائش نسل (Human Population) اور تہذیب(Civilization) کے ترقیاتی معاملوں پر نظر رکھتا ہے جو پچھلے پچاس سالوں سے تعجب خیز طریقے پر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔اس کی ابتدائی مثالیں رومن سلطنت، پارتھین(Parthian) سلطنت اور ہان راجونش (Han Dynasty) سلطنت کے دور میں پائی جاتی تھیں۔جب چین میں شروع ہونے والا ریشم پارتھین سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا اور آگے روم کی طرف بڑھ گیا۔

اسلام کا سنہرا دور (Islamic Golden Age) بھی اس کی ایک مثال ہے جب مسلم تاجروں(Muslim Traders) اور کاروباریوں (Explorers) نے اولڈ ورلڈ (Old World) کی بنیاد رکھی، جس کے نتیجے فصلوں(Globalization of crops)، تجارتوں، علوم اور ٹیکنالوجی کا Globalization ہوا، جو بعد میں عثمانی سلطنت کے دوران مزید ترقی پذیر ہوتا گیا۔آگے چل کر اس کی ایک ایسی لہر دوڑ پڑی جو دنیا کے سبھی کونوں تک پہنچ گئی۔اس کا پھیلاؤ سولھویں اور سترہویں صدی میں یورپی تجارت کے ذریعے جاری رہا۔ جب یہ پرتگال(Portuguese) اور اندلس سلطنت (Spain Empire) تک پھیل گیا، اور آخر میں فرانس اور برطانیہ تک جا پہنچا۔ گلوبلائزیشن نے دینا بھر میں تہذیب، خاص کر غیر ملکی تہذیب پر ایک زبردست اثر ڈالا۔

سترہویں صدی میں گلوبلائزیشن ایک کاروبار بن گیا، جب ایسٹ انڈیا کمپنی(East India Company) وجود میں آئی جو پہلی غیر ملکی تنظیم کہلاتی ہے جس نے دنیا بھر کے کاروبار کا جوکھم اٹھایا اور اس میں شیئر کے ذریعے دوسری کمپنیوں کو اپنے میں جوڑ کر ایک عظیم اور منفرد کمپنی بن گئی۔اس طرح گلوبلائزیشن میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک اہم پہل مانی جاتی ہے۔چونکہ یہ کمپنی برطانوی حکومت (British Government) کے ماتحت تھی تو اس نے اس کا فائدہ اٹھا کر اپنی تہذیب اور ریتی رواج کو دوسرے ملکوں پر تھوپا۔

انیسویں صدی کو بھی کبھی کبھی گلوبلائزیشن کا پہلا دور First age of Globalization کہہ دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں سولھویں صدی ہی میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی اور یہ وہ دور تھا جب تجارت کا پھیلاؤ یورپی طاقتوں، ان کے سرمایوں اور بعد میں امریکہ کے بیچ تیزی سے پھیلتے ہوئے کاروباروں اور شیئر Share کے اندر ان کے فروغ کے طور پر ہوا۔

اس دور اول کے ٹوٹنے کا آغاز بیسوی صدی میں پہلی جنگ عظیم کے ساتھ ہوا۔بعد میں 1920 کے آخری دور میں اور 1930 کے شروعاتی دور میں گولڈ معیاری بحران(Gold Standard Crisis) کے دوران یہ ختم ہوگیا۔آگے چل کر بیسویں صدی میں جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور اقوام متحدہ کا وجود عمل میں آیا تو اس وقت سے گلوبلائزیشن اب پوری دنیا میں مشہور ہوگیا اور ہندوستان بھی اب اقوام متحدہ

کا ایک رکن ہے۔اقوام متحدہ کی کئی تنظیمیں ہیں جو اس کو کنٹرول کرتی ہیں۔انہیں میں سے ایک تنظیم (World Trade Organization) ہے- یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جس کا پرانا نام گیٹس (GATTS) تھا۔ یہ ادارہ آزاد عالمگیر تجارت اور گلوبلائزیشن کا داعی ہے اور اس کی راہ میں ہر قسم کی معاشی پابندیوں (ڈیوٹی، کوٹا، سبسڈی، ٹیرف وغیرہ) کا مخالف ہے، نیز یہ ادارہ بین الاقوامی تجارت میں ممکنہ تنازع کی صورت میں ثالثی کا کردار ادا کرتا ہے۔موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اس کے باقاعدہ 149 ارکان ہیں جو سرگرم عمل ہیں۔

سننے میں تو یہ لفظ کافی خوشنما لگتا ہے، لیکن اس کے پیچھے یہودیت Jewist اور عیسائیت Christianist کی پوری سازش چھپی ہوئی ہے، تاکہ دنیا کو ایک جگہ سے کنٹرول Control کیا جا سکے اور اسلام کو ختم کیا جا سکے۔قرآن مقدس میں ان دو قوموں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن کہا گیا ہے۔آج پوری دنیا میں ''گلوبل ویلیج'' کے نعرے لگ رہے ہیں اور امریکہ اور روس جیسے دو سپر پاور کہے جانے والے ملک اس کے نمائندہ بنے بیٹھے ہیں۔لوگوں کو اس کے ذریعے ایسی سوچ دی جا رہی ہے جو انسانیت سے بالاتر ہے۔اس کی سب سے بڑی مثال سوشل میڈیا (Facebook,Twitter) اور انٹرنیٹ ہے جو آج ہر شہری کے گلے کی لگام بنا ہوا ہے، اور یہ ممالک اس کے ذریعے عوام کو اپنے چنگل میں لیے ہوئے ہیں اور ہمارا کل کا باحیا مسلمان آج کا بے حیا انسان بن گیا ہے۔

دوسری جنگ عظیم Second World War کے بعد سے پوری دنیا گلوبلائزیشن ہی کے چنگل میں ہے، یہاں تک کہ اب یہ نعرے ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں بھی لگائے جا رہے ہیں۔آج اگر ہم بڑے شہروں کا جائزہ لیں تو دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہمارا مسلمان بھی KFC کے کھانے کو آرڈر کر کے منگا رہا ہے جو ایک غیر مسلم ملک کا سامان خوردنی {Food Products} ہے اور دنیا بھر میں اس کی تجارت کی جا رہی ہے۔کتنی آسانی سے ہمارا مسلمان اس غذا کو حاصل کر رہا ہے جو غیر مسلموں نے تیار کیا ہے۔وہاں حلال جانوروں کو بھی مسلمان ذبح نہیں کرتے، بلکہ وہ کافر کا ذبیحہ یا عموماً مشینری ذبیحہ ہوتا ہے۔کیا وہ وقت آ گیا جس کے بارے میں غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ایک زمانہ وہ آئے گا کہ انسان اس بات کی فکر نہ کرے گا کہ اس نے جو مال کمایا، وہ حلال سے آیا ہے یا حرام سے۔

ایسا نہیں کہ ساری دنیا اس کو قبول کر رہی ہے۔اہل مغرب بھی اس کے خلاف ہیں۔عالمی محققین کا یہی کہنا ہے کہ ہم اس طرح اگر اپنی دنیا کو ایک عالمی نظام کو سونپ دیں گے تو ایک ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جس میں سارا کچھ فرد واحد یا ایک تنظیم کے ذمہ ہوگا اور وہ جیسے چاہیں گے، ویسے اس کو انجام دیں گے۔نہ ہمارے مال کی حفاظت کا کوئی ضامن ہوگا، نہ زَرکی۔مزدور اپنی مزدوری سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، کیونکہ ان کا کوئی سننے والا نہ ہوگا اور آج ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کس طرح ٹیکنالوجی Technology نے غریب لوگوں کے ہاتھ سے انجام دیئے جانے والے کاموں کو اپنے سر لے لیا اور ان مزدوروں کو ان کی زبوں حالی پر چھوڑ دیا۔اب نہ کوئی انہیں پوچھتا ہے اور نہ ہی ان کا کچھ ذریعہ معاش ہی ابھر کر سامنے آتا ہے۔اسی طرح دیگر مقامات کا بھی یہی حال ہے۔ہندوستان کی معاشی کمزوری کا ضامن بھی یہی ہے۔یہ گلوبلائزیشن ہی ہے جس نے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو مغربی تہذیب میں تبدیل کر دیا ہے۔

گلوبلائزیشن کی تین قسمیں ہیں

(۱) سیاسی گلوبلائزیشن (Political) (۲) سماجی گلوبلائزیشن (Social) (۳) اقتصادی گلوبلائزیشن (Economic)

گلوبلائزیشن نے عالمی سطح پر سیاسیات، سماجیات اور اقتصادیات پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے۔ہر شعبہ میں اس کے اثرات کا ظہور نظر آ رہا ہے۔ہر شعبہ کے متعلقین اپنے ملکی و مذہبی مرکز فکر سے برگشتہ ہو کر گلوبلائزیشن کے ودیعت کردہ افکار و نظریات کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔اس سے ہر محکمہ میں کچھ نہ کچھ ایسی روایت قائم ہو چکی ہے، جو خود اس ملک کے باشندوں کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔

مسلمانوں پر گلوبلائزیشن کا اثر

مسلمانوں نے عالم اسلام کے زیادہ تر علاقے پہلی صدی ہجری یعنی عہد رسالت، خلافت راشدہ وخلافت بنوامیہ کے عہد میں فتح کر لیے تھے۔ ہمارے علم (Knowledge)، فلسفہ (Philosophy)، سائنس (Science) اور ایجادات (Invention) کی تاریخ سے سارا جہاں واقف ہے۔ اب یہود ونصاریٰ کی سازشوں نے ہماری ذہنیت کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ تلواروں کے زور پر ہم سے جیت نہ سکے تو ہر چہار جانب سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ اسی سبب سے ہماری خلافت عثمانیہ ترکیہ زوال پذیر ہوگئی۔ ہماری قوت کے خاتمہ اور زوال سلطنت کے بعد ہر جگہ ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ عالم وفاضل کی شکل میں نہ جانے کتنے یہود ونصاریٰ ہماری صفوں میں داخل کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت راشدہ سے یہود ونصاریٰ کی مسلسل سازشیں جاری رہیں، یہاں تک کہ تیرہ سو سال بعد ہماری سلطنت عثمانیہ ترکیہ بھی بے نام ونشان ہوگئی۔ پہلی جنگ عظیم First World War سے قبل پورا عرب ''خلافت عثمانیہ'' کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ یورپی ممالک نے 1918ء میں عرب کو بارہ ملکوں میں تقسیم کر دیا اور ہم کچھ نہ کر سکے۔ ہمارے چند غداروں نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا۔ یہ محض رب تعالیٰ کا کرم ہی تھا کہ چند نوجوانوں نے یورپ کی متحدہ افواج سے ٹکرا کر ترکی کو بچالیا، ورنہ آج ظلم وجبر کی تاریخ مزید سنگین ہوتی۔ برطانیہ نے عربوں کی زمین چھین کر اسرائیل بنایا اور ہم رونے دھونے اور ''یوم القدس'' منانے کے سوا کچھ نہیں کر سکے۔

اگر ہم بیدار ہوتے تو ہر ہتھیار پر ''میڈ بائی مسلم'' Made by Muslim کی مہر لگ جاتی اور ہم اگر دنیا کی بہادر ترین فوج تیار کر لیتے تو ہمیں آج جا بجا قوم مسلم کے قتل وغارت گری کا منظر دیکھنا نہ پڑتا۔ آج عراق، لیبیا، مصر، افغانستان اور شام انسانی قتل گاہ ومیدان کربلا نہ بن رہے ہوتے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم لوگ یورپی بندوقوں، ٹینکوں، توپوں، گولوں اور امریکی جنگی جہازوں کے بغیر خانہ کعبہ کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری تعلیم کا حال یہ ہے کہ دنیا کی سو بڑی یونورسٹیوں کی فہرست میں اسلامی دنیا کی ایک بھی یونیورسٹی نہیں آتی۔ ساری اسلامی دنیا مل کر جتنا ریسرچ پیپر تیار کرتی ہے، وہ امریکہ کے ایک شہر ''بوسٹن'' میں ہونے والے ریسرچ پیپر کا نصف بنتا ہے۔

اسلامی ممالک کے حکمران علاج کے لیے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ یہ اپنی زندگی کا آخری حصہ یورپ، امریکا، کینیڈا اور نیوزی لینڈ میں گذارنا چاہتے ہیں۔ دنیا کے 90% تاریخی مقامات اسلامی ملکوں میں ہیں، لیکن اسلامی دنیا کے 90% خوش حال لوگ سیاحت کے لیے مغربی ملکوں میں جاتے ہیں۔ آج ہم غیروں کی ایجادات اور ان کی صنعتوں پر منحصر ہو کر رہ گئے ہیں۔ دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمان صارف سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ یورپ نعمتیں ایجاد کرتا ہے، بناتا ہے، اسلامی دنیا تک پہنچاتا ہے اور ہم استعمال کرتے ہیں۔ جس سال آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے سعودی عرب کو بھیڑیں دینے سے انکار کر دیا، اس سال مسلمان حج کے موقع پر قربانی نہیں کر سکیں گے اور جس دن یورپ اور امریکہ اسلامی دنیا کو گاڑیاں، جہاز اور کمپیوٹر بیچنا بند کر دیں، ہم اس دن گھروں میں محبوس ہو کر رہ جائیں گے، اور بے دست وپا ہو جائیں گے۔

آپ کسی دن اپنے دعوے سن لیں۔ ان نوجوانوں کے نعرے سن لیں جو میٹرک کا امتحان پاس نہیں کر سکے۔ جنہیں اِسکرو Screw تک لگانا نہیں آتا اور جس دن ان کے بوڑھے باپ اگر کام پر نہ جائیں تو ان کے گھر چولہا نہیں جلتا۔ آپ ان کے نعروں کو اور ان کے دعووں کو سن لیجئے۔ یہ لوگ پوری دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرانا چاہتے ہیں۔ یہ اغیار کو نیست ونابود کر دینا چاہتے ہیں۔ ان نعروں اور دعووں سے قبل ہمیں حقائق کی جانب آنا ہوگا۔ اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے مشقت وجانفشانی کرنی ہوگی۔ آج ہمیں تعلیم، ایجادات، صنعت وحرفت، تجارت ومعیشت کی جانب سخت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہم تین سو تیرہ ہو کر بھی پوری دنیا کو فتح کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ آج ہمیں کیا ہو گیا:

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں　　　کبھی عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ہندوستانی ثقافت کے پوشیدہ عناصر

از: مولانا حسان المصطفٰی قادری امجدی: استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

جغرافیائی اعتبار سے ہمارے وطن کے لیے لفظ ہند کا استعمال عربوں اور ایرانیوں نے کیا تھا۔(طبقات بن سعد، ج۱،ص ۲۳۹) انٹرنیٹ کی مشہور ویب سائٹ و یکی پیڈیا پر ہے کہ: ایران والے، سندھ ندی کی وجہ سے سندھ کے آس پاس اور برصغیر کے علاقوں کو ہند کہتے تھے۔ان لوگوں نے سندھ کے ''س'' کو ''ہ'' سے اور ''دھ'' کو ''د'' سے بدل کر ہند کر دیا تھا، اور یہاں پر رہنے والوں کو ہندی کہتے تھے۔ ہندو بمعنی ہندو مذہب کی اصطلاح گیارہویں صدی یا اس کے بعد کی پیداوار ہے۔ ''ہندتو'' لفظ ہندو ہی سے بنا ہے۔ ہندتو ایک فکر اور نظریہ کا نام ہے۔

عہد حاضر میں ہندتو کا مقصد ملک سے سیکولرزم کو ختم کر کے ہندو راشٹر کا قیام ہے، جس میں متنوع تہذیب وثقافت، مذہبی آزادی اور اختلاف رائے کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو، جس میں برہمنی نظام کی بالادستی ہو۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے، بلکہ دلت، شودر اور دیگر پسماندہ اقوام اور ان کی تہذیب وثقافت کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ ہندتو ملک ہند کی گنگا جمنی تہذیب وثقافت کے برخلاف ایک انتہا پسند کلچر ہے، جس میں ہندوانہ کلچر کے علاوہ کسی کلچر کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں۔ ملک ہند کثیر ثقافتی ملک ہے۔اسی کثرت ثقافت کی تعبیر گنگا جمنی تہذیب سے کی جاتی ہے، یعنی ہر تہذیب وثقافت کو ملک ہند نے قبول کیا اور طویل مدت سے ہر ایک کلچر کو فروغ پانے کی راہیں عوام وخواص واہل سلطنت وحکومت کی جانب سے ہمیشہ کشادہ رکھی گئی ہیں۔ اسلامی احکام ومسائل پر پابندیاں عائد کرنے کا مقصد ہندتو کا فروغ ہے۔

ہندتو مختلف ادوار سے گذر چکا ہے۔عروج وارتقا کی بلندیاں، پستی اور تنزلی کی گہرائیاں، ہر ایک کا سامنا اس نے انتہائی چالاکی سے کیا ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ ہندتو اپنے عہد زوال میں مگرمچھ کی طرح ساکت وجامد ہو جاتا ہے۔ کچھوے کی طرح سمٹ جاتا ہے اور سیپ کی طرح اپنے مضبوط خول میں چھپ جاتا ہے۔ جب کہ عہد عروج وارتقا میں یہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔عوامی تحریک اور ترقی کا نعرہ اس کا خاص حربہ ہے۔ موجودہ وقت میں ''سب کا ساتھ، سب کا وکاس''۔ اور ''اچھے دن'' اس کی عمدہ مثال ہے۔امن وشانتی، آپسی محبت ورواداری اور ذہنی ہم آہنگی کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا، جب کہ جبر وتشدد، باہمی چپقلش اور فتنہ وفساد کا رجحان اس کے اندر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ہاں، اپنے مقصد کے حصول کے لیے وقتی مصالحت قبول کر لیتا ہے، خواہ یہ مصالحت دیگر ہندو اقوام سے ہو، یا اقلیتی فرقوں کے ساتھ۔ البتہ یہ مصالحت بھی مستحکم اور پائیدار نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں ان نظریات کے حاملین پر اعتماد کرنا خام خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

بھارت میں آریوں کی آمد کے بعد ہندتو کا آغاز ہوا۔ ہندتو کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔لیکن ''ہندتو'' کی اصطلاح پرانی نہیں ہے۔ یہ اصطلاح قدیم دستاویزوں میں موجود نہیں۔ ۱۹۸۹ء کے بعد اس لفظ کا پہلی بار استعمال کرتے ہوئے آر ایس ایس (راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ) کے کل ہند سیوا پرمکھ سوریہ نارائن راؤ نے اپنے ایک مضمون (The Concept of the Hindu Rashtra) میں لکھا تھا:

"What are the factors that have kept this nation as one inspite of the foreign domination for over one thousnd years.It is its faith in its age old culture, Dharma, tradition and its forefathers like Rishis, Acharyas, Sri Rama and Sri Krishna. All

this can be condensed into one word and that is the HINDUNEES, HINDUTVA".

ترجمہ: وہ کیا عوامل ہیں جنہوں نے اس قوم کو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک باوجود غیر ملکی تسلط کے، ایک رکھا۔ یہ ہے اس کی اپنی قدیم ثقافت، دھرم، روایت اور اپنے اسلاف مثلاً: رشیوں، آچاریوں، رام اور کرشن پر یقین۔ ان تمام کو ایک لفظ میں سمیٹا جا سکتا ہے اور وہ ہے ہندو پن، ہندتو۔

اگر چہ ''ہندتو'' لفظ کا پہلی بار استعمال آر ایس ایس پر چارک کے ذریعہ ہوا، لیکن اس کی تاریخ تین ہزار سال پرانی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف آر ایس ایس کی فکر ہے، جب کہ حقائق گواہی دیتے ہیں کہ ہندتو کے معاملے میں، تمام ہندو برابر کے شریک ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ منہج اور طریقہ سب کا الگ الگ ہے، تاہم اصول اور ہدف کے اعتبار سے سبھی متحد و متفق ہیں۔ آر ایس ایس، ہندتو نظریہ کا علم بردار ہے، اور عہد حاضر میں یہ ہندتو کی سب سے بڑی تحریک ہے۔ ہندتو کا مطالعہ کرنے کے بعد تمام ہندوؤں کو تین طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بلا واسطہ ہندتو کے قائلین (۲) بالواسطہ ہندتو کے قائلین (۳) بنیادی ہندتو کے قائلین۔ بلا واسطہ ہندتو کے قائلین میں سنگھ پریوار (آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں) ہے۔ بالواسطہ ہندتو کے قائلین میں کانگریس کا شمار ہے، اور بنیادی ہندتو کے قائلین میں کمیونسٹ پارٹی ہے۔

ہندتو کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ مورخین نے اس کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) عہد استغلاب (۲) عہد احیا۔

استغلاب کا زمانہ ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ۵۵۰ قبل مسیح تک محیط ہے۔ اور عہد احیا ۲۲۷ قبل مسیح سے ۱۹۹۳ عیسوی تک۔

عہد استغلاب کو چار حصوں میں بانٹا گیا ہے: (۱) ۱۵۰۰ قبل مسیح تا ۱۰۰۰ قبل مسیح (۲) ۱۰۰۰ قبل مسیح تا ۸۰۰ قبل مسیح (۳) ۸۰۰ قبل مسیح تا ۶۰۰ قبل مسیح (۴) ۶۰۰ قبل مسیح تا ۵۵۰ قبل مسیح۔

عہد احیا کے تین مراحل ہیں: (۱) ۳۲۰ عیسوی تا ۱۳۴۱ عیسوی (۲) ۶۵۰ عیسوی سے ۷۵۰ عیسوی تک (۳) ۱۹۴۷ عیسوی سے تا امروز جب کہ اس تیسرے عہد کی شروعات ۱۵۶۵ عیسوی سے ہوتی ہے۔ اور اس عہد کے بھی چار مراحل ۱۹۴۷ء سے پہلے گذر چکے ہیں۔

وہ چار مراحل یہ ہیں: (۱) ۱۵۵۶ عیسوی تا ۱۷۰۷ عیسوی (۲) ۱۷۰۷ عیسوی سے ۱۸۵۸ عیسوی تک (۳) ۱۸۵۸ عیسوی تا 1905 عیسوی (۴) 1905 عیسوی تا ۱۹۴۷ عیسوی۔

طریقۂ عمل: ہندتو نظریہ والوں کے کام کے طریقے بھی مختلف اور متعدد ہیں۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کو شکست دینے کے لیے حالات کے مطابق دو طریقوں پر عمل کرتے ہیں۔ اول: دشمن کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوم: مخالف کو خود میں ضم کر لیتے ہیں۔

پہلا طریقہ کار (دشمن کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش) یہ ہے کہ ہندتو کے علم برداران اپنی مخالف قوم کے اندر سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرتے ہیں، جس کی تعریف و توصیف کے ذریعہ یا جسے کوئی عہدہ دے کر اپنا آلہ کار بنایا جا سکے۔ بسا اوقات اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ اس شخص کو اپنے دیوتا کا اوتار قرار دیتے ہیں۔ اس طریقہ پر عمل کی دو ذیلی صورتیں ہیں۔

(پہلی ذیلی صورت) مخالفین میں سے کسی فرد کو اپنا آلۂ کار بنا کر اور اسے اوتار کا درجہ دے کر اس کی قوم کا خاتمہ خود اسی کے ذریعہ کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریقہ کار سے ہندتو کو دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اول: یہ کہ ہندتو کو اپنی طاقت کم خرچ کرنا پڑتی ہے۔ دوم: یہ کہ مخالف قوم خود آپس میں منقسم و منتشر ہو کر اپنی متحدہ قوت کے استعمال سے عاجز رہ جاتی ہے۔ تاریخ ماضی میں اس کی اہم مثال پرشورام کی ہے، جس کے ذریعہ پہلے اس کی اپنی چھتری ماں کینو کو قتل کروایا گیا، پھر اسے وشنو کا چھٹا اوتار قرار دے کر اسے کارتہ ویریہ کے چھتری راجہ ہے ہیاس کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا گیا، پھر اس کے بعد اس کے تحت باضابطہ عظیم لشکر تیار کر کے پوری چھتری قوم کا قتل عام کروایا گیا۔

ماضی قریب میں اس کی مثال ایمرجنسی کا زمانہ ہے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں بربریت کے اقدامات کرنے سے قبل (اور بطور خاص مسلمانوں کی جبری نس بندی کے اقدامات سے قبل) فخر الدین علی احمد (مسلمان) کو صدر بنانا، سکھ مسئلے کو حل کرنے، اور بھنڈاران والا کا قلع قمع

کرنے، حتیٰ کہ گولڈن ٹیمپل (سکھ گرودوارہ) پر دھاوا بولنے کے دوران گیانی ذیل سنگھ (سکھ) کو صدر اور سردار بوٹا سنگھ (سکھ) کو وزیر داخلہ مقرر کرنا، ۱۹۹۰ء میں کشمیر کے سلسلے میں نئے اقدامات کرنے سے قبل مفتی محمد سعید کو وزیر داخلہ اور متحدہ کمانڈ کے لیے لفٹنٹ جنرل ذکی کا انتخاب کرنا محض اتفاق نہیں تھا، اس سے قبل تقسیم ملک کے مرحلے میں مولانا آزاد کو کانگریس کا صدر بنانے کی کوشش کرنا بھی محض اتفاق نہیں۔

(دوسری ذیلی صورت) (۱) جب انہیں اپنے آس پاس کی مغلوب قوم سے رقیبانہ خطرہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (۲) جب عوامی تحریک کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۳) جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ براہ راست قیادت انہیں مشکوک بنا سکتی ہے۔ تب یہ لوگ مغلوب قوم میں سے کسی فرد کو اپنا آلہ کار بنا کر، کسی بلند عہدہ پر فائز کر دیتے ہیں، یا اوتار کا درجہ دے کر اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں۔ یہ طریقہ کامیاب ترین طریقوں میں سے ایک ہے۔

دوسرا طریقۂ کار (مخالف کو خود میں ضم کر لینا): جب دشمن زبردست قوت کا مالک ہو، بھرپور کوشش کے باوجود اس کی شکست نظر نہ آئے اور اس کے خاتمہ کی کوئی چال کارگر نہ ہو، تو ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے دشمن کو اپنے ساتھ ضم کر لیتے ہیں۔ طریقہ کار و ہی ہوتا ہے کہ دشمن کے قائد کی تعریف وتوصیف کر کے اپنے کسی دیوتا کا اوتار قرار دیا جاتا ہے اور اسے ہندتو کا حصہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس طرح مخالفین کو اپنے ساتھ ضم کر کے انہیں ختم کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ جس میں یہ لوگ خاطر خواہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، جیسے بدھ مت، جین مت اور سکھ دھرم کو ہندو دھرم میں شامل مانتے ہیں، حالانکہ یہ مذاہب، ہندو دھرم کی مخالفت میں قائم ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنے ہندو ہونے کا انکار بھی کرتے ہیں۔

تاریخ میں اس کی بہترین مثال یہ بیان کی جاتی ہے کہ ۵۵۰ قبل مسیح ہندوستان میں ہندتو کو پوری طرح اکھاڑ پھینکا گیا تھا۔ ہندتو کے مخالفین شودروں کی حکومت مگدھ میں (جو دریائے گنگا کے جنوب میں واقع، قدیم ہندستان کی ایک سلطنت تھی، اب موجودہ بہار کا حصہ ہے) ۶۰۰ قبل مسیح میں قائم ہوئی۔ دبی کچلی یہ قوم ہزاروں سال سے ظلم وستم سہنے کے بعد ہندتو وادی حکومت کا خاتمہ کر کے آزاد فضا میں سانس لے رہی تھی، اور یکے بعد دیگرے انہیں کی حکومت قائم ہوتی رہی۔ ہندتو نظریے کے حاملین جب ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا سکے، تو ان لوگوں نے انہیں ختم کرنے کے لیے اپنا وہی مذکورہ حربہ استعمال کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں کی قوم سے ایک شودر چندر گپت موریا کا انتخاب عمل میں آیا، اس نے ہندتو نظریہ کے ارتقا کے لیے اپنی قوم کو بہت نقصان پہنچایا۔ بعد میں اسی کے پوتے اشوک نے اس فکر کو شکست دی، یہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ آج بھی دلتوں کے بہت سے لیڈروں کو اپنے ساتھ ضم کر کے دلتوں کو خواب غفلت میں مبتلا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

مسلمان اور اسلام کو بھی ہندتو میں شامل کرنے کی بارہا کوشش کی گئی ہے۔ اپنی اس ناپاک کوشش کی کامیابی کے لیے ان لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دیوتا کا اوتار بھی قرار دیا تھا (نعوذ باللہ من ذلک)

ہندتو کے مقاصد کے حصول کے لیے سیکڑوں تحریکیں اور تنظیمیں دو طرز پر کام کرتی ہیں۔ ایک جماعت بالواسطہ کام کرتی ہے، اور دوسری جماعت بلاواسطہ۔ چناں چہ ہندتو نے ۱۹۳۰ء اور بالخصوص ۱۹۳۵ء کے بعد اسی طرز پر کام شروع کیا تھا۔ وہ جماعت جو بالواسطہ ہندتو کے لیے کام کر رہی تھی، وہ گاندھی کی جماعت یعنی کانگریس پارٹی تھی۔ دوسری جماعت جو بلاواسطہ ہندتو کے لیے کام کر رہی تھی، یہ وہ جماعت تھی جس کا ظاہری مقصد ہندو راشٹر کا قیام تھا، جس میں آر ایس ایس اور دیگر تنظیمیں شامل تھیں۔

ہندتو کے اقدامات کے چند اصول

(۱) توسیع وتبدیل: اس کے ذریعہ ہندتو اپنے قوانین وضوابط اور وسائل وذرائع میں موقع کے اعتبار سے ترمیم کرتا ہے۔

(۲) تحریف والحاق: اس کے ذریعہ ہندتو اپنی مذہبی کتابوں میں تحریف وتلبیس کرتا ہے۔

(۳) قانون نگاری ودستور سازی: اپنی ضروریات ومسائل کا لحاظ کرتے ہوئے، دشمن کوشکست دینے کے لیے ایسے ایسے قوانین بنانا اور باضابطہ اسے قانونی شکل دینا، جوحال واستقبال میں اس کے لیے نفع بخش ہو۔

(۴) تطبیق: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندتو کی توسیع اور اس کے مفادات کے استحکام کے لیے تمام ہندوؤں کو پھر سے منظّم کرنا۔ اس کے لیے برہمن سے لے کر شودر تک تمام طبقات کی از سرنو درجہ بندی ہوتی ہے۔ کسی کو شودر کا درجہ دیا جاتا ہے، کسی کو چھتری کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بعض قوم جسے کبھی چھتری کا مقام دیا گیا تھا، ان سے یہ مقام چھین کر دوسری قوم کو دے دیا جاتا ہے۔ گذشتہ زمانے میں نچلی قوموں کے جنگجو افراد کو راجپوت کا مقام دیا جانا اسی اقدام کی ایک صورت تھی۔

اسی طرح موجودہ وقت میں بعض شودروں کو اعلیٰ درجہ کی طرف لے جانا تطبیق ہی کے زمرے میں شامل ہے۔ جن قوموں کا مقصد حیات صرف مال ودولت اور دنیا کمانا ہے، جولوگ ہندتو کے زور وزبردستی اور ان کی اجارہ داری پر کوئی احتجاج نہیں کرتے۔ مقابلے کی بجائے مصالحت کے سہارا لے کر حصول دولت میں مشغول رہتے ہیں تو ایسی قوموں کو یہ لوگ ویشہ کا درجہ دیتے ہیں۔ جس کے اندر سے یہ خاصیت معدوم ہو جاتی ہے وہ اس درجہ سے خارج بھی کر دی جاتی ہے۔ ہندتو کو چیلینج کرنے والی ہندو قوموں کو تطبیق کے ذریعہ ہی کنٹرول کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا کے مسلمانوں کو ہندتو نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: (الف) بیرون ہند کے مسلمان اور ملک کے اندر کے وہ مسلمان، جن کا ذہن غلامی کو قبول نہیں کرتا، جو غیر مغلوب نفسیات رکھتے ہیں، انہیں ملیچھ کے خانے میں رکھتے ہیں۔ (ب) ملک کے اندر کے وہ مسلمان جو نفسیاتی تغلب کو تسلیم کر چکے ہیں، ان میں سے بیشتر کو شودر کے درجہ میں رکھتے ہیں اور باقاعدہ ان کی فہرست شودروں کی فہرست میں شامل کی جاتی ہے۔ ایس ٹی، ایس سی اور او بی سی وغیرہ ہندتو نظریہ کا ہی حصہ ہے۔

(۵) طریقۂ عمل: دشمن کو جڑ سے اکھاڑ دینا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اسے خود میں شامل کر کے ختم کر دینا۔ اس کی پوری تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔

ہندتو کی علمبردار تحریک: آر ایس ایس

آر ایس ایس کس نظریہ کی حامل تحریک ہے، اسے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ گذشتہ تقریبا 90: سالوں سے اپنے نظم وضبط، جدوجہد اور سعی پیہم کی وجہ سے یہ تنظیم ایک ایسی قوت بن چکی ہے، جسے نظرانداز کرنا غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔ موجودہ وقت میں یہ تحریک ہندتو نظریات اور اپنے اہم مسائل کو قانونی حیثیت دلانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ان شاء اللہ ہم اس تنظیم کا مختصر سا تعارف پھر کبھی پیش کریں گے، تاکہ قوم اندازہ کر سکے کہ یہ لوگ انتہائی منظّم اور مضبوط ہیں۔ یہ لوگ وسیع پیمانے پر کام کر رہے ہیں۔ ملک بھر میں ان کے ماتحت بہت سی تنظیمیں ہیں، جو انتہائی دلجمعی اور لگن کے ساتھ ہندتو کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کی وسعت، مقبولیت اور کامیابی کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کس طرح کام کرتے ہیں، کتنی محنت ومشقت کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ بھی ہمیں نہیں ہے۔

ان حقائق کو سپرد قرطاس کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم مسلم، ہندتو کی حقیقت سے آشنا ہو جائے، پھر ان کے طرز عمل وجہد مسلسل سے ہماری قوم بھی سبق حاصل کر کے اپنی بھلائی کے لیے کچھ لائحۂ عمل مرتب کر سکے۔ ملک ہند میں قوم مسلم کی خموشی اور مستقبل سے بے توجہی یقیناً قابل افسوس ہے۔ مسلمان جاگیں اور مذہبی خدمات کے ساتھ رفاہی خدمات بھی انجام دیں۔ رفاہی خدمات کے سبب اہل حکومت اور بھارتی اقوام کے دلوں میں بھی قوم مسلم کی عزت وتوقیر رچ بس جائے گی۔ گرچہ چند فی صد لوگ ہندو کلچر (ہندتو) کے فروغ کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں، لیکن چونکہ بھارت کی فطرت میں یہ چیز شامل وداخل نہیں، بلکہ جبری طور پر اہل بھارت کو اس نظریہ کی جانب دھکیلا جا رہا ہے۔ کوئی بھی قوم خلاف فطرت امور کو اگر چند لمحوں کے لیے قبول بھی کر لے تو وہ پھر بہت تیزی کے ساتھ اپنی فطرت کی جانب پلٹ آتی ہے۔ اہل بھارت کے خون میں رواداری شامل ہے۔ ان کی فطرت اصلیہ کو جگا کر انہیں انصاف ورواداری کی دعوت دی جائے: واللہ الموفق وہو المعین

تحفظ ناموس رسالت **قسط دوم**

قوانین تکفیر کی جمع و تدوین

طارق انور مصباحی (کیرلا)

فقہ وعقائد کی کتابوں میں الفاظ کفریہ اور تکفیر کے مسائل واصول متفرق طور پر مرقوم ہیں۔ متقدمین نے کسی ایک کتاب میں الفاظ کفریہ اور اصول تکفیر کا بالاستیعاب ذکر نہیں فرمایا۔ اسی طرح بعض اہم امور ایسے ہیں کہ ان سے متعلق جزئیات کی فراہمی مشکل نظر آتی ہے۔ باب تکفیر علم عقائد وفقہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس جانب اکابر علمائے اہل سنت کو توجہ دینی چاہئے۔ اولاً ہر امر پر خاص جزئیہ تلاش کیا جائے۔ جب اس امر سے متعلق کوئی خاص جزئیہ نہ مل پائے تو اجتماعی طور پر اس بارے میں غور وفکر کیا جائے۔

خلیل بجنوری نے ''انکشاف حق'' میں امت مسلمہ کو فریب دینے کے واسطے جا بجا مغالطہ آمیز باتیں تحریر کی ہے، نیز حالیہ چند ماہ میں ہم نے اصول تکفیر کے موضوع پر سنی، دیوبندی، اہل حدیث ودیگر مؤلفین کی متعدد اردو کتابوں کا مطالعہ کیا۔ عہد حاضر کے مؤلفین نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں بعض امور کی وضاحت کی ہے۔ خاص جزئیہ نہ ہونے کے سبب تسامحات کا پایا جانا کچھ بعید نہیں۔ موجودہ حالات کے پیش نظر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اجتماعی طور پر باب تکفیر کے اصول وفروع کی جمع وتدوین کی جائے۔ انفرادی تحقیقات میں متضاد نظریات سامنے آچکے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی (۴۷۶ھ-۵۴۴ھ) کی کتاب ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی مکی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) کی کتاب ''الاعلام بقواطع الاسلام'' اور فقہ کی کتابوں میں کتاب السیر، اسی طرح علم عقائد کی کتابوں میں ایمان وکفر کے مباحث میں بھی بہت سے سوالوں کے صریح جوابات مرقوم نہیں ہیں، یا میں خاص جزئیات تک رسائی سے قاصر رہا۔

اصول تکفیر سے متعلق تحریر کردہ اردو کتابوں اور بجنوری کی کتاب ''انکشاف حق'' پڑھ کر متعدد سوالات ذہن میں آئے۔ ہم نے اپنی جانب سے ان سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ارباب تحقیق اپنی تحقیق پیش کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آخری مرحلہ میں تمام سوالات وجوابات کا مجموعہ اکابر علمائے کرام کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔ جو فیصلہ ہوگا، وہی اصل جواب ہوگا۔ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کا یہ عظیم کارنامہ ہوگا۔ سوالوں کے تفصیلی جوابات اور دلائل ردالفساد کی قسطوں میں مرقوم ہیں۔ ردالفساد کی پانچ قسطیں ہم نے انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کردی ہیں۔

فرقہ بجنوریہ روشن خیالی کے نام پر قوم مسلم کو گمرہی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے غلط دعووں پر فریفتہ نہ ہوجانا۔ ان کے مقاصد بھی غلط ہیں اور وہ فکر سلیم سے بھی کوسوں دور ہیں۔ فرقہ بجنوریہ کا کوئی فرد روشن خیال نہیں۔ خواہ وہ کوئی پروفیسر ہو، یا ڈاکٹر، علامہ ہو یا مفتی۔ خواہ دینی امور ہوں، یا دنیاوی معاملات۔ فرقہ بجنوریہ امت مسلمہ کی خیر خواہی کا جذبہ بھی ظاہر کرتا ہے اور اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ارشادات وفرامین سے ان لوگوں کی برگشتگی بھی چمکتے سورج کی طرح ظاہر وعیاں ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعض کو عشق مصطفوی کا دعویٰ بھی ہے اور یہود ونصاریٰ کی قدم بوسی بھی کرتا نظر آتا ہے۔ فرقہ بجنوریہ روشن خیالی کے نام پر بجنوری تفکرات، عمان اعلامیہ کے خرافات اور طاہری نظریات کو امت مسلمہ کے قلوب واذہان میں پیوست کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے: آمین

ارباب علم وفضل سے عرض ہے کہ مندرجہ ذیل جوابات پر اپنی تحقیق پیش فرمائیں، تاکہ تمام تحقیقات فیصلہ کے لیے جمع کی جاسکیں۔

سوال: کیا کفر کلامی کا صحیح فتویٰ جاری ہوجانے کے بعد کسی کو اختلاف کا حق حاصل ہے؟

جواب: جب کفر کلامی ثابت ہو چکا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجرم ایسا قطعی کافر ہے کہ اس کے مومن ہونے کا احتمال بلا دلیل بھی باقی نہیں ہے۔ وہ ایمان سے بالکل منقطع ہو چکا ہے۔ اب کوئی اسے مومن کہتا ہے تو گویا کسی قطعی کافر کو مومن کہتا ہے۔ اسی حقیقت کی تفہیم کے لیے کہا جاتا ہے۔ ''من شک فی کفرہ فقد کفر''۔ کفر کلامی کا حکم اسی وقت جاری ہوتا ہے، جب تمام جہات محتملہ قطعی بالمعنی الاخص ہوجائیں اور قطعی بالمعنی الاخص میں کسی کا اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ ایسا امر مجمع علیہ ہوتا ہے۔ کسی محقق کو کسی جہت محتملہ میں کوئی شبہہ ہے تو اصحاب علم سے دریافت کر لے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین زکات کے خلاف حکم جہاد جاری فرمایا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا شبہہ پیش فرمایا اور شبہہ ختم ہونے کے بعد حکم صدیقی کو تسلیم فرمایا۔ ذیل کی عبارت میں قطعی بالمعنی الاخص کی حیثیت پر غور کیا جائے۔

فرض اعتقادی کا مفہوم

قال الامام احمد رضا فی توضیح الفرض الاعتقادی: ﴿اَلْاَمْرُ الَّذِیْ اَذْعَنَ الْمُجْتَھِدُ طَلَبَہ جَزمِیًّا وَحَتْمِیًّا—فان کان ذلک الاذعان فی درجۃ الیقین المعتبر فی اصول الدین—وعلٰی ذلک التقدیر لا تکون المسئلۃ الا مجمعًا عَلَیْھَا بین ائمۃ الدین—لان ما فیہ خلافٌ وَلَوْ مَرْجُوْحًا لایَصِلُ الٰی دَرجۃ ھذا الیقین—فھو فرض اِعْتِقَادِیٌّ—وَمُنْکِرُہ کَافِرٌ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفُقَھَاءِ وَکَافِرٌ عند المتکلمین اذا کَانَتِ الْمَسْئَلَۃُ من ضروریات الدین—وَاِنَّمَا ھٰذَا اَحْوَطُ وَاَسَدُّ عند المحققین وَمُعَوَّلٌ وَمُعْتَمَدٌ عِنْدَ اَسَاتِذَتِنَا الْکِرَام﴾(الفتاوی الرضویۃ ج ۱ ص ۶)

فَثَبَتَ من ھذا الکلام ان الضروریات مبدأھا ودلیلھا یکون قطعیًّا—وَالْمُرَادُ بالقطعی عند المتکلمین ان یکون جانبہ الموافق ثابتًا علٰی سبیل القطع والیقین—ویکون جانبہ المخالف بَاطِلًا عَلٰی سَبِیْلِ الْقَطْعِ والیقین—وتکون شُبْھَۃُ الْخِلَافِ مَعْدُوْمَۃً مِنَ الْجَانِبَیْنِ—والمراد بالقطع ھو القطع بالمعنی الاخص—وھذا مراد الامام احمد رضا بقولہ (فان کان ذلک الاذعان فی درجۃ الیقین المعتبر فی اصول الدین) (البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ: الرسالۃ الخامسۃ)

(۱) اگر کفر کلامی کا فتویٰ ہی غلط تھا، مثلاً اگر جہات محتملہ میں کوئی احتمال بالدلیل یا احتمال بلا دلیل موجود تھا اور مفتی نے کفر کلامی کا فتویٰ جاری دیا تو یہ فتویٰ ہی غلط ہوا۔ یہاں کفر فقہی ثابت ہوگا اور کفر فقہی کا حکم ثابت ہوگا یعنی توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ کا حکم۔ اگر کفر کلامی ثابت ہوجاتا تو کفر کلامی کا حکم ثابت ہوتا، یعنی اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جاتی۔ اس کے سارے اعمال برباد ہوجاتے۔ اگر حج فرض ادا کر چکا ہے تو دوبارہ ادا کرنا ہوتا۔

(۲) اگر مفتی نے قانون تکفیر کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا تو وہ فتویٰ بھی قابل رد ہوگا مثلاً شیخ اکبر پر ابن تیمیہ حرانی کا فتویٰ کفر کہ شیخ اکبر کی جانب کفریہ کلمات کی نسبت صحیح نہیں۔ شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کی تحریروں میں تحریف ہوئی اور الحاق ہوا ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام کے کلام کی تحقیق اہل تصوف کی اصطلاحات کے مطابق ہوگی۔ انہیں کی مصطلحات کے اعتبار سے صوفیا کے کلام کے احکام بتائے جائیں گے۔

(۳) کفر کلامی کا صحیح فتویٰ جاری ہونے کے بعد کسی کو توقف، انکار یا شک کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کا یہی مفہوم ہے۔ ہاں، تحقیق وتفتیش کا حق حاصل ہوگا، تاکہ وہ ذاتی طور پر اس امر کی تفصیلات سے واقف ہوجائے۔

سوال: کیا کفر کلامی میں ہر ایک محقق کو تفصیلی تحقیق کرنی ہے اور کسی دوسرے کی تحقیق سے استفادہ کرنا درست نہیں؟

جواب: مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہے، کیونکہ ہر مجتہد کے اصول استنباط دوسروں سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ مجتہدین کو عملی احکام

یعنی باب فقہ کے ظنی امور میں اپنے اجتہاد پرعمل کرنے کا حکم ہے۔ضروریات دین،ضروریات اہل سنت،قطعی الدلالت وقطعی الثبوت امور یا اجماعی امور میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ضروریات اہل سنت کا ثبوت قطعی بالمعنی الاخص دلائل سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ دلائل قطعی بالمعنی الاعم ہوتے ہیں اوران میں احتمال بلادلیل کی گنجائش ہوتی ہے، پھر بھی ائمہ مجتہدین کوضروریات اہل سنت کوتسلیم کرنا ہے۔وہاں اجتہاد پرعمل کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ تمام امور اہل سنت وجماعت کے یہاں اجماعی ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری وامام ابومنصور ماتریدی کا فروع اعتقادیہ کی تشریح میں اختلاف ہے،اور یہ اختلاف لفظی ہے۔نہ ہی ان مختلف فیہ امور کے اثبات کے لیے دلائل قطعیہ بالمعنی الاخص کا وجود ہے، نہ ہی کسی تشریح پر ماقبل کے ائمہ اہل سنت کا اجماع قائم ہوا تھا۔معتزلہ ودیگر گمراہ فرقوں کا جواب دیتے ہوئے دونوں اماموں نے اپنے طور پر بعض فرعی امور کی تشریح فرمائی ہے،جس سے اختلاف کی شکل پیدا ہوئی،اور چونکہ نتیجہ ومقصود ایک ہی ہے،اس لیے اس اختلاف کولفظی اختلاف کہا گیا۔''البرکات''(رسالہ دوم) میں تفصیل ہے۔

امر تکفیر دیگر ضروریات دین کی طرح گرچہ تحقیقی ہے،لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اگر تحقیق کامل کے بعد کسی مفتی نے کفر کلامی کا صحیح فتویٰ جاری کردیا تو کوئی دوسرا مفتی کسی احتمال کے سبب اس تکفیر کلامی کا انکار کردے، یا مجرم کومومن اعتقاد کرے، بلکہ اس کوان دلائل کی تفتیش کرنی ہوگی ،جن سے کفر کی قطعیت ثابت ہوچکی ہے۔اگر وہ تفصیلی دلائل فراہم ہوگئے تو اچھا ہے،ورنہ کفر کلامی کا فتویٰ جاری کرنے والے مفتی کی تحقیق اس کے حق میں دلیل اجمالی ہوگی۔ضروریات دین اورضروریات مذہب اہل سنت کے تحقیقی ہونے کا یہی مفہوم ہے،یعنی دلیل تفصیلی فراہم نہ ہوسکے تو دلیل اجمالی پر اکتفا کرنا ہے۔اختلاف کی گنجائش نہیں۔کافر کلامی کوکافر ماننا ضروریات دین میں سے ہے۔

سوال: ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی مفتی ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کے اصول کوتسلیم کرے،لیکن کسی کافر کلامی کوکافر تسلیم نہ کرے؟

جواب: ہر نبی پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔اب کوئی اس اصول کوتسلیم کرے اور کسی خاص نبی مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کواللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم نہ کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔

سوال: مسئلہ تکفیر میں فقہا ومتکلمین کا اختلاف لفظی ہے، یا حقیقی اختلاف ہے؟

جواب: مسئلہ تکفیر میں فقہا ومتکلمین کا اختلاف لفظی ہے۔فقہا ان امور کوکفر کہتے ہیں اور قائل وفاعل کوکافر کہتے ہیں۔متکلمین ان امور کوضلالت کہتے ہیں اور قائل وفاعل کوضال کہتے ہیں۔

سوال: کیا کافر فقہی کے لیے بھی ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کا قانون استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب: ہاں،کفر فقہی میں بھی یہ قانون جاری ہوتا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو اس مجرم کوکافر فقہی نہ تسلیم کرے، بلکہ اسے مومن کامل تسلیم کرے،وہ بھی اسی کی طرح کافر فقہی ہے۔کفر کلامی کے وقت اس قانون کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو اس کے کفر کلامی میں شک کرے،وہ اسی کی طرح کافر کلامی ہے۔متکلمین بھی کافر فقہی کوکافر فقہی مانتے ہیں،لیکن مطلقاً کافر کا لفظ اس کے لیے استعمال نہیں کرتے ، بلکہ اسے گمراہ کہتے ہیں، یا کہتے ہیں کہ وہ بحکم فقہا کافر ہے۔اگر وہ بلا کسی قید کے مطلقا کافر کہہ دیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ شاید مجرم متکلمین کے یہاں بھی کافر ہے،اسی لیے وہ علی الاطلاق بلا کسی قید کے کافر فقہی کوکافر نہیں کہتے۔اس وضاحت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ کفر فقہی میں ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کے استعمال سے متکلمین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا، کیونکہ متکلمین اس کفر فقہی کوتسلیم کرتے ہیں،صرف تعبیر میں فرق ہے۔

سوال: ''اگر کوئی مفتی اردو زبان سے آشنا نہیں ہیں،اور کسی نے اردو زبان میں ایسی بات کہی یا لکھی،جس میں کفر کلامی ہے۔اب اردو سے ناآشنا مفتی اس قائل کومومن سمجھے، یا کافر؟اس قائل کا قول یا تحریر ان کے پاس موجود ہے،لیکن اردو انہیں معلوم نہیں۔

جواب: فہم مطالب سے قاصر رہنے کے سبب مذکورہ مفتی کوحکم کفر جاری کرنے کا حق نہیں،اسی طرح جب قائل مذکور کے قول، یا

تحریر کے سبب اس کے ایمان وکفر کا معاملہ مشکوک قرار پایا تو اسے وہ مومن بھی قرار نہیں دے سکتا۔ جب تک اردو زبان سے آشنا مفتیان کرام فتویٰ صادر نہیں کرتے، اس وقت تک اس مفتی کو یہی عقیدہ رکھنا ہوگا کہ خاص اس شخص کے ایمان وکفر کے تعلق سے جو حکم عنداللہ ثابت ہے، اسی پر ہم قائم ہیں، پھر بعد تحقیق جو حکم آیا، اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ امور اعتقادیہ میں دائمی توقف کی راہ موجود نہیں، بلکہ سوال کرنا ہے۔ افتا کا یہی طریق کار ہے کہ اگر خود کوئی مسئلہ معلوم نہیں تو جاننے والوں سے دریافت کرے۔ ردالفساد: قسط دوم میں تفصیل ہے۔

اردو سے ناآشنا ہونے کے سبب مفتی مذکور کا منصب سائل کا ہو جائے گا، پھر انہیں اس فتویٰ کو قبول کرنا ہوگا، جو اردو زبان سے آشنا مفتیان کرام نے جاری کیا ہے۔ اسی طرح مفتی مذکور اس اردو عبارت کو اپنی زبان میں کسی سے ترجمہ کرالیں، پھر چند ایسے اہل علم سے اس ترجمہ کی تصحیح کرالیں جو مفتی اور قائل دونوں کی زبانوں کو صحیح طور پر جانتے ہوں۔ اب اس ترجمہ کے مطابق وہ حکم شرعی جاری کر سکتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی اور اشخاص اربعہ کی عبارتیں، اسی طرح قادیانی کی عبارتیں اردو زبان میں تھیں اور علمائے حرمین طیبین نے دہلوی کی تکفیر فقہی کی تصدیق کی، اور اشخاص اربعہ کی تکفیر کلامی کی بھی تصدیق کی۔ قادیانی کی تکفیر کی تصدیق بھی علمائے عرب نے کی ہے اور قادیانی پر بالاستقلال فتویٰ کفر بھی علمائے عرب نے جاری کیا۔ قادیانی کی بعض عبارتیں گرچہ عربی میں بھی تھیں، لیکن زیادہ تر عبارتیں اردو زبان میں ہیں۔

سوال: ابھی کسی خاص شخص کے کفر کلامی کا فتویٰ نہیں دیا گیا، لیکن مفتیان کرام کے نزدیک اس کا کفر کلامی ثابت ہو چکا ہے تو جن علما کے نزدیک اس کا کفر کلامی ثابت ہو چکا ہے، وہ علما اسے مومن اعتقاد کریں یا کافر؟

جواب: کسی مفتی کے نزدیک اس کا کفر کلامی متحقق ہو چکا ہے اور اس کے باوجود اس کو وہ مومن اعتقاد کرتا ہے تو اس نے کفر کو ایمان اعتقاد کیا اور وہ ''من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر'' کے دائرہ میں آتا ہے، گرچہ ابھی کسی مفتی نے فتویٰ کفر صادر نہ کیا ہو۔ کافر کو کافر اعتقاد کرنا الگ امر ہے، اور فتویٰ کفر صادر کرنا الگ ہے۔ کسی حکمت کے سبب فتویٰ جاری کرنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ ردالفساد: قسط سوم (باب: الاعتقاد والافتاء شیئان متغایران) میں تفصیل ہے۔

سوال: امر تکفیر تقلیدی ہے یا تحقیقی؟

جواب: کفر کلامی وکفر فقہی دونوں میں امر تکفیر تحقیقی ہے، یعنی اصول وقوانین کے انطباق کے بعد کسی کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ مفتی کو فعل تکفیر کی دلیل، یعنی اصول وقوانین اور مسئلہ حاضرہ کا ان اصول سے انطباق وغیرہ کا تفصیلی علم ہوگا اور عام مسلمین کو فعل تکفیر کی دلیل کا اجمالی علم ہوگا، یعنی مفتیان کرام کا کسی کو کافر قرار دینا عوام مسلمین کے لیے دلیل کی منزل میں ہوگا۔ اس کو استدلال اجمالی کہا جاتا ہے۔ فتویٰ جاری کرنے کی اجازت ہر ایک کو نہیں۔ عوام الناس کو ان مسائل میں جرأت کرنا سخت حرام ہے۔ امام اہل سنت نے تحریر فرمایا: ''جاہل کو احکام شرع خصوصاً کفر واسلام میں جرأت سخت حرام، اشد حرام ہے۔ کوئی ہو، کسے باشد۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' (فتاویٰ رضویہ ج۶ ص۲۰۹)

سوال: مکفرات یعنی کافر بنانے والے امور اجتہادی ہیں، یا اجماعی؟

جواب: مکفرات یعنی امور کفریہ کی دو قسمیں ہیں۔ اجتہادی اور اجماعی۔ کفر اجتہادی میں ائمہ مجتہدین کی تقلید ہوتی ہے کہ جن امور کو مجتہدین نے کفر شمار کیا ہے، ان کے مقلدین ان امور کو کفر اعتقاد کرتے ہیں۔ کفر اجماعی یا کفر کلامی کا مفہوم یہ ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار، یا اس میں شک یا توقف کیا جائے۔ اسی طرح دین کے استخفاف کے سبب بھی کفر کلامی ثابت ہوتا ہے۔

سوال: کیا امر تکفیر میں ہر ایک کو تحقیق کرنی ضروری ہے۔

جواب: تکفیر کلامی میں قائل وفاعل کے کفر کا یقین بالمعنی الاخص ہونا ضروری ہے، خواہ وہ اپنی تحقیق سے حاصل ہو، یا کسی دوسرے محقق کی تحقیق سے کفر کا یقین حاصل ہو۔ بجنوری نے کہا کہ ہر ایک کو تحقیق کرنی ضروری ہے۔ بجنوری یہ بتائے کہ یہ تحقیق بھی کفر کے قطع ویقین

کے حصول کے لیے کی جائے گی۔اگر وہ قطع ویقین پہلے ہی سے حاصل ہے تو اب تحصیل حاصل کا الزام آئے گا اور تحصیل حاصل محال ہے۔اگر پہلے ہی سے کفر کا یقین ہے تو قائل وفاعل کو کافر ماننا بھی ضروری ہے۔ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ ہر ایک کو تحقیق کا حکم کیوں دے گی؟ ہاں، اب تحقیق اس لیے کی جاسکتی ہے کہ مفتی کو جہات محتملہ میں یقین بالمعنی الاخص کیسے حاصل ہوا؟ اس کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔علامہ کمال ابن ابی شریف (۸۲۲ھ-۹۰۶ھ) کی آئندہ عبارت میں ہے کہ جب مقلد کو بلا استدلال یقین حاصل ہو جائے تو استدلال کی ضرورت نہیں۔

ایمان مقلد کی بحث

خلیل بجنوری نے "انکشاف حق" میں جابجا کہا ہے کہ عقائد میں کسی کی تقلید نہیں ہوتی ہے، اور ایمان وکفر کا مسئلہ بھی باب عقائد میں سے ہے، پس اس امر میں کسی عالم وشیخ کی تقلید نہیں ہوسکتی۔بجنوری کے بقول ہر عام وخاص امر تکفیر کی ذاتی تحقیق کرے، تب کسی کو کافر قرار دے۔یہ بجنوری کا فریب ہے۔ہر خاص وعام امر تکفیر میں تحقیق کے اہل نہیں، پھر ہر کوئی تحقیق کیسے کرسکتا ہے؟ نیز تمام مسائل اعتقادیہ میں تحقیق واستدلال کا حکم نہیں، بلکہ صرف اصول دین میں استدلال کا حکم ہے اور ہر ایک کی دلیل تفصیلی سے واقف ہونا ضروری نہیں، بلکہ دلیل اجمالی کافی ہے، نیز استدلال کا حکم اور ایمان مقلد کے غیر صحیح ہونے کا قول ضعیف ومرجوح ہے۔

(۱)قال التفتازانی:﴿ذهب كثير من العلماء وجميع الفقهاء الٰى صحة ايمان المقلد-وَتَرَتُّبِ الْاَحْكَامِ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾(شرح مقاصد ص ۲۶۴)

(۲)قال الهيتمي﴿وكثير من الناس يغلطون ويعتقدون ان ايمان المقلد لايصح-وَقَدْ بَيَّنْتُ هذا فى فتوى-وقلت ان الناس ثلاث طبقات(۱)عُلْيَا-وهم اهل المعرفة والاستدلال التفصيلي وهم العلماء-واهل الاستدلال الاجمالي وهم كثيرون من العوام-فَلَا خِلَافَ فى صحة ايمانهم(۲)وَوُسْطٰى-وهم اهل العقيدة المُصَمِّمُوْنَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ-وَلَمْ يَقُلْ بِتَكْفِيْرِهِمْ اِلَّا ابو هاشم(۳)دُنْيَا-وَهُمُ الْمُقَلِّدُوْنَ مِنْ غَيْرِ تَصْمِيْمٍ-وَلَمْ يَقُلْ بِصِحَّةِ اِيْمَانهم الاشُذُوْذًا﴾

(الفتاوى الحديثية ص ۱۴۳)

قال السبكى ونقل الهيتمي:﴿ايمان المقلد صحيح عند جمهور العلماء خلافا لابى هاشم من المعتزلة﴾

(فتاوى السبكى ج ۲ ص ۶۰۵-الفتاوى الحديثية ص ۱۴۴)

(۳)قال العلامة البدايونى:﴿واعلم ان الاستدلال لَيْسَ شَرْطًا لِصِحَّةِ الْاِيْمَانِ عَلَى الْمُخْتَار-حَتّٰى صَحَّحُوْا اِيْمَانَ الْمُقَلِّدِ-وَقَالَ الْاُسْتَاذُ ابو القاسم القشيرى اِنَّ نَقْلَ الْمَنْعِ عَنِ الْاَشْعَرِيِّ اِفْتِرَاءٌ عَلَيْهِ﴾(المعتقد المنتقد ص ۲۰۰)

(۴)قال الامام احمد رضا القادرى:﴿ان الايمان انما هو لمعان نُوْرٍ-وكشف ستره وشرح صَدْرٍ يقذفه الله فى قلب من يشاء من عباده-سواء كان ذلك بنظر اومجرد سماع-ولا يسوغ لعاقل ان يقول-لايحصل الايمان اِلَّا بِالنَّظْرِوَالْاِسْتِدْلَالِ-كَلَّا وَاللّٰه-بَلْ رُبَّمَا يَكُوْنُ اِيْمَان بعض من لايعرف الاستدلالَ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ مِنْ ايمان بعض من بلغ الغاية فى المراء والجدال-فَمَنْ يُشْرَحُ صَدْرُهُ لِلْاِسلام وَيَجِدُ قَلْبَهُ مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ قَطْعًا-وَاِنْ لَمْ يَعْرِفْ-مِنْ اَيْنَ اَتَتْهُ هٰذِهِ النِّعْمَةُ الْكُبْرٰى-وهذا مَعْنٰى قَوْلِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْمُحَقِّقِيْنَ رضى اللّٰهُ تَعَالٰى عنهم اجمعين-اَنَّ اِيْمَانَ الْمُقَلِّدِ صَحِيْحٌ﴾(المعتمد المستند ص ۲۰۰)

(۵)قال الامام احمد رضا-ان عدم صحة ايمان المقلد هو مذهب ضعيف-ثم قال:

﴿المعتبر فی الایمان شَرْعًا، الْجَزْمُ الْقَاطِعُ–سَوَاءٌ حَصَلَ عَنْ اِسْتِدْلَالٍ اَوْ تَقْلِيْدٍ﴾ (المعتمد المستند ص۱۹۷)

(۶)قال الکمال ابن ابی الشریف:﴿(واعلم ان الاستدلال)الذی به یکتسب التصدیق القلبی(لیس شرطا لصحة الایمان علی المذهب المختار)الذی علیه الفقهاء وکثیر من العلما(حتی صححوا ایما ن المقلد ومنعه کثیر)وهم المعتزلة،کذا فی العمدة والبدایة وغیرهما ونقل المنع عن الشیخ ابی الحسن الاشعری فقال الاستاذ ابوالقاسم القشیری انه افتراء علیه)﴾(المسامرة شرح المسایرة لابن الهمام ج۲ص۱۹۰،۱۹۱ – مطبعة السعادة :مصر)

(۷)قال الکمال ابن ابی الشریف(۸۲۲ھ–۹۰۶ھ):﴿وقد اشار المصنف الیٰ تحریر محل النزاع بقوله(وقَلَّ ان یری مقلد فی الایمان باللّٰه تعالی اذ کلام العوام فی الاسواق محشو بالاستدلال بالحوادث)ای بحدوثها(علیه)ای علیٰ وجود ہ تعالی (وعلیٰ صفاته)من العلم والارادة والقدرة وغیرها(والتقلید مثلا هو ان یسمع الناس یقولون ان للخلق ربا خلقهم وخلق کل شئ ویستحق العبادة علیهم وحده لا شریک له فیجزم بذلک بصحة ادراک هؤلاء تحسینا لظنه بهم و تکبیرا)بالموحدة ای تعظیما(لشأنهم عن الخطأ)لکثرتهم وتوافقهم علیٰ ذلک مع رصانة عقولهم(فاذا حصل عن ذلک جزم لا یجوز معه کون الواقع النقیض)ای نقیض ما اخبروا به(فقد قام)المکلف الذی حصل له ذلک الجزم(بالواجب من الایمان)من بیانیة ای الذی هو الایمان(اذ لم یبق)بعد حصول الجزم المذکور(سوی الاستدلال،ومقصود الاستدلال هوحصول ذلک الجزم فاذا حصل)المکلف(ما هو المقصود منه)ای من الاستدلال فقد(تم قیامه بالواجب ومقتضی هذا التعلیل ان لا یکون عاصیا بعدم الاستد لال)ای بترکه (لان وجوبه)ای الاستدلال(انما کان لیحصل ذلک)الجزم (فاذا حصل سقط هو)ای وجوب الاستدلال الذی هو وسیلة اذ لا معنی لاستحصال المقصود بالوسیلة بعد حصوله دونها﴾

(المسامرة شرح المسایرة الابن الهمام ج۲ص۱۹۲،۱۹۳ –مطبعة السعادة:مصر)

(۸)قال زین الدین قاسم بن قطلوبغا(۸۰۲ھ–۸۷۹ھ) تلمیذ ابن الهمام الحنفی:﴿قال ابوالحسن الرستغفنی: شرط صحة الایمان ان یبنی اعتقاده علیٰ ما یصلح ان یکون دلیلا فی الجملة حتی لوبنی اعتقاده علیٰ قول الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم بعد ان عرف بحکم المعجزة انه رسول صح ایمانه فاما بدونه فلا،وهذا لان التصدیق لا بد وان یکون من علم ومعرفة ولا علم مع هذا المقلد لان العلم الحادث اما ان یکون ضروریا او استدلالیا والعلم باللّٰه تعالی لیس بضروری ولا استدلال مع هذا المقلد فلا یثبت له العلم وبدون العلم لا یتحقق له التصدیق﴾

(حاشیة المسایرة مع المسامرة ج۲ص۱۹۱ – مطبعة السعادة مصر)

(۹)قال علی القاری الحنفی(۹۳۰ھ–۱۰۱۴ھ):﴿ومنها:ان ایمان المقلد الذی لا دلیل معه صحیح–قال ابوحنیفة رحمه اللّٰه وسفیان الثوری ومالک والاوزاعی والشافعی واحمد وعامة الفقهاء واهل الحدیث رحمهم اللّٰه تعالیٰ: صح ایمانه ولکنه عاص بترک الاستدلال،بل نقل بعضهم الاجماع علی ذلک وعند الاشعری لا بد ان یعرف ذلک بدلالة العقل، وعند المعتزلة ما لم یعرف کل مسألة بدلالة العقل علی وجه یمکنه دفع الشبهة لا یکون مومنا﴾

(منح الروض الازهر فی شرح الفقه الاکبر ص ۴۰۳–دار السلامة بیروت)

(۱۰)قال الملاعلی القاری:﴿وقیل:معرفة مسائل الاعتقاد کحدوث العالم ووجود الباری وما یجب له وما یمتنع

علیہ من ادلتھا فرض عین علیٰ کل مکلف فیجب النظر ولا یجوز التقلید–وھذا ھو الذی رجحہ الامام الرازی والآمدی–والمراد النظر بدلیل اجمالی واما النظر بدلیل تفصیلی یتمکن معہ من ازالۃ الشبہ والزام المنکرین و ارشاد المسترشدین ففرض کفایۃ–واما من یخشی علیہ من الخوض فیہ الوقوع فی الشبھۃ فالاوجہ ان المنع متوجہ فی حقہ–فقد قال البیھقی:انما نھی الشافعی رحمہ اللّٰہ وغیرہ عن علم الکلام لاشفاقھم علی الضعفۃ ان لا یبلغوا ما یریدون منہ فیضلوا عنہ﴾(منح الاروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر ص۴۰۷)

(۱۱)قال القاری:﴿والصحیح ما علیہ عامۃ اھل العلم فان الایمان ھو التصدیق مطلقا فمن اخبر بخبر فصدقہ صح ان یقال،آمن بہ و آمن لہ–ولان الصحابۃ کانوا یقبلون ایمان عوام الامصار التی فتحوھا من العجم﴾

(منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر ص۴۰۶–دار السلامۃ بیروت)

(۱۲)قال القاری:﴿وتحقیقہ ان الرسول صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم عد من آمن بہ وصدقہ فیما جاء بہ من عند اللّٰہ تعالیٰ مومنًا ولم یشتغل بتعلیمہ الدلائل العقلیۃ فی المسائل الاعتقادیۃ وکذا الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم حیث قبلوا ایمان الزط والانباط مع قلۃ اذھانھم وبلادۃ افھامھم ولولم یکن ذلک ایمانا لفقد شرطہ وھو الاستدلال العقلی لاشتغلوا باحد الامرین:اما بالاعراض عن قبول اسلامھم او بنصب متکلم حاذق بصیر بالادلۃ عالم بکیفیۃ المحاجۃ لتعلیمھم صناعۃ الکلام والمناظرۃ،ثم بعد ذلک یحکمون بایمانھم وعند امتناع الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم وامتناع کل من قام مقامھم الیٰ یومنا ھذا،من ذلک ظھر ان ما ذھبوا الیہ باطل ، لانہ خلاف صنع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم واصحابہ العظام رضی اللّٰہ عنھم وغیرھم من الائمۃ الکرام.

علیٰ ان من اصحابنا من قال:ان المقلد لا یخلو عن نوع علم فانہ ما لم یقع عندہ ان المخبر صادق لا یصدقہ فیما اخبر بہ وخبر الواحد وان کان محتملا للصدق والکذب فی ذاتہ لکن متی ما وقع عندہ انہ صادق ولم یخطر ببالہ احتمال الکذب وکان فی الحقیقۃ صادقا نزل منزلۃ العالم لانہ بنی اعتقادہ علی ما یصلح دلیلا فی الجملۃ﴾

(منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر ص ۴۰۶–دار السلامۃ بیروت)

اقول:قول القاری(ان ما ذھبوا الیہ باطل) ای ما ذھبت الیہ المعتزلۃ فھو باطل.

ضروریات دین میں توقف جائز نہیں

خلیل بجنوری نے اشخاص اربعہ کی تکفیر میں کف لسان کیا تھا،اور کف لسان کو مدار نجات بتایا تھا۔کافر کلامی کو کافر ماننا ضروریات دین میں سے ہے،اور ضروریات دین میں توقف بھی کفر ہے۔ثلجی نے قرآن سے متعلق کہا تھا کہ میں قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہوں،لیکن مخلوق یا غیر مخلوق کچھ بھی نہیں کہتا۔علمائے اسلام نے ثلجی کے توقف کو باطل قرار دیا۔یہ معتزلی تھا۔معتزلہ خلق قرآن کے قائل تھے،اور اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ کلام الٰہی،قدیم وغیر مخلوق ہے۔ثلجی نے ایسی بات کہی جو اہل سنت و جماعت اور فرقہ معتزلہ دونوں کے خلاف تھی۔

(۱)ضروریات دین(۲)ضروریات اہل سنت(۳)قطعی الثبوت وقطعی الدلالت دلائل یعنی قرآن مجید کی قطعی الدلالت آیت مقدسہ وقطعی الدلالت حدیث متواتر سے ثابت شدہ مسائل واحکام(۴)اوراجماع سے ثابت شدہ احکام ومسائل میں کسی مجتہد ومحقق کو اختلاف ، یا انکار کی گنجائش نہیں۔صرف غیر اجماعی وظنی مسائل میں اجتہادوعلمی اختلاف جائز ہے۔ضروریات دین میں توقف اور شک بھی کفر ہے۔

(۱)قال المولیٰ محی الدین محمد بن بهاء الدین(م ۹۵۶ھ)فی شرح قول الامام الاعظم ابی حنیفة رحمهما اللّٰه:
﴿(وَاِذَا اَشْكَلَ عَلَى الْاِنْسَانِ)عَلٰى وَاحِدٍ من نوع الانسان(شَیْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِیْدِ)مِمَّایَلْزَمُ بِاخْلَالِ الْاِعْتِقَادِ به اِخْتِلَالُ الْاِیْمَانِ(فَاِنَّهُ یَنْبَغِیْ لَهُ)اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّه لا یجب استحضارُ هذا الاعتقاد فی خصوص المسألة بَعْدَ مَا اِعْتَقَدَ اِجْمَالًا بصدقِ النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم فی جمیع مَا جَاءَ من عند اللّٰه—وَاِلَّا فَالْاِیْمَانُ الْاِجْمَالِیُّ وَاجِبٌ قَطْعًا(اَنْ یَعْتَقِدَ فِی الْحَالِ)بلا تاخیرٍ وَلَا تَرَاخٍ(مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی)اَیْ یَعْتَقِدُ اَنَّ الْحَقَّ فی نفس الامر ما هو الحق عند اللّٰه تَعَالٰی فی عِلْمِه وفی اَمْرِه عِبَادَه بِالْاِعْتِقَادِ مِنْ غَیْرِ تَعَیُّنٍ وُقُوْعِ النِّسْبَةِ اَوْلَا وُقُوْعِها فی تلک المسألة—و یومن اِجْمَالًا بِمَا هُوَ الْحَقُّ فِیْ حُكْمِهٖ(اِلٰى اَنْ یَجِدَ عَالِمًا فَیَسْأَلَهُ)اَنَّ الْحَقَّ مَاذَا عَلَى التَّفْصیل(وَلَا یَسَعُهُ تَاخِیْرُ الطَّلَبِ)اَیْ طَلَبِ الْاِعْتِقَادِ الْحَقِّ فِی الْمَسْأَلَةِ الْمُشْكِلَةِ(وَلَا یُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِیْهِ)لان الوقف رِضَاءٌ بالجهل فیما یجب الاعتقاد به من عقائد الدین فَلَا یَكُوْنُ مَعْذُوْرًا اِلَّاعِنْدَ الْعَجْزِ وَالْاِضْطِرَارِ— فَاِذَا وَجَدَ عَالِمًا بِعِلْمٍ وَیَعْلَمُ الطَّالِبُ زَالَ العجزُ—فَلَا یُقْبَلُ الْعُذْرُ(وَیَكْفُرُ اِنْ وَقَفَ)لانه اِعْرَاضٌ عن الایمان الواجب ورِضَاءٌ بالكفر﴾

(القول الفصل شرح الفقه الاكبر ص۴۲۶:استنبول ترکی)

(۲)قال العلامة البدایونی:﴿اذا اشكل ای التبس علی الانسان من اهل الایمان شَیْءٌ من دقائق علم التوحید(۱) یَجِبُ عَلَیْهِ اَنْ یعتقد فی الحال(۲)بما هو الصوابُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی بطریق الاجمال اِلٰى اَنْ یَجِدَ عَالِمًا فَیَسْأَلُهُ وَلَا یَسَعُهُ تَاخِیْرُ الطَّلَبِ—وَلَا یُعْذَرُ بِالْوَقْفِ عَلَیْهِ اَیْ بِتَوَقُّفِه فی معرفةِ هذه الاحوال—وعدم تفحصه بالسوال ویَكْفُر (۳)فِی الْحَالِ اِنْ تَوَقَّفَ عَلٰى بَیَانِ الْاَمْرِ فِی الْاِسْتِقْبَالِ—لِاَنَّ التَّوَقُّفَ مُوْجِبٌ(۴)لِلشَّكِّ وهوفیما یَفْتَرِضُ اِعْتِقَادُه كَالْاِنْكَارِ—وَلِذَا اَبْطَلُوْا قَوْلَ الثَّلْجِی من اَصْحَابِنَا(۵)حیث قَالَ، اَقُوْلُ(۶)—بِالْمُتَّفَقِ(۷)وَهُوَ اَنَّه كَلَامُه تَعَالٰی—وَلَا اَقُوْلُ—مَخْلُوْقٌ اَوْ قَدِیْمٌ.

هٰذَا—المرادُ بِدَقَائِقِ عِلْمِ التَّوحِیْدِ اَشْیَاءٌ یَكُوْنُ الشَّكُّ وَالشُّبْهَةُ فِیْهَا مُنَافِیًا لِلْاِیمَانِ وَمُنَاقِضًا لِلْاِیْقَانِ بِذَاتِ اللّٰهِ وَ صِفَاتِه وَمَعْرِفة كیفیة الْمُؤْمَنِ به(۸) بِاَحْوَالِ اٰخِرَتِه(۹)فَلَا ینافی اَنَّ الْاِمَامَ تَوَقَّفَ فی بعض الاحکام(۱۰)لانها فی شرائع الاسلام—فالاختلافُ فی علم الاحکام رَحْمَةٌ(۱۱)والاختلاف فی علم التوحید و الاسلام ضَلَالَةٌ وَبِدْعَةٌ—و الخطاءُ فی علم الاحکام مغفورٌ بل صاحبُه فیه ماجورٌ—بخلاف الخطاء فی علم الكلام فانه كفرٌ(۱۲)و زورٌ (۱۳) وصاحبه ما زورٌ(۱۴)هٰذَا مَا اَفَادَه الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ فِی الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ والقاری فی شرحه﴾(المعتقد المنتقد ص ۲۳۸)

(۳)قال الامام احمد رضا القادری فی حاشیته:﴿(۱)المرادُ به عِلْمُ الْعَقَائِدِ مُطْلَقًا فَاِنَّ الْحُكْمَ كذلک فی جمیع المعتقدات(۲)فیقول فی نفسه اِعْتَقَدْتُ بما هو الحَقُّ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی فی هذه المسألة(۳)اِنْ كانت المسئلة من ضروریات الدین(۴)اَیْ مُثْبِتٌ لِلشَّكِّ اِنَّا وَاِنْ كَانَ مُوْجَبًا بِالْفَتْحِ لِمًّا—وَلَایَنْبَغِیْ اَنْ یُجْعَلَ فی المتن بالفتح—لان مُوْجَبَ الشَّیْءِ بالفتح لا یستلزم وجودُه وجودَ الشَّیْءِ لِجَوَازِتَعَدُّدِ الْمُوْجِبَاتِ(۵) من اصحابنا اَیِ الْحَنْفِیَّةِ فُرُوْعًا لَا اُصُوْلًا—لِاَنَّه مَعْدُوْدٌ فی المعتزلة(۶)فِی الْقُرْاٰنِ(۷) عَلَیْهِ بَیْنَ الائمة(۸)علٰى صیغة المفعول ای مَا یُؤْمَنُ به كذا فی شرح القاری—وَلَعَلَّ الْبَاءَ بمعنٰى مِنْ—اَیْ بِمَعْرِفة كیفیة ما یُؤْمَنُ به من احوال المعاد(۱۰) كَوَقْتِ الْخِتَانِ وَغَیْرِه مِمَّا بَلَغَ سَبْعًا وَقَدْ عُدَّتْ فی رد المحتار(۱۱)لِجَوَازِ تَقْلِیْدِ الْغَیْرِ عند الضرورةِ بِشَرْطِه المعروف فَهٰذَا الْیُسْرُ عِنْدَ

الْعُسْرِ اِنَّمَا جَاءَ مِنْ اِخْتِلَافِ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ(۱۲)تَارَةً(۱۳)اُخْرٰی(۱۴)مُطْلَقًا﴾(المعتمد المستندص ۲۳۸)

اقول:يَجِبُ عَلَيْنَا اَنْ نَعْتَقِدَ الْمُوْمِنَ مُوْمِنًا وَالْكَافِرَ الكلامى كَافِرًا–وَهٰذَا مِنْ ضروريا ت الدين .

(۴)قال القارى:﴿(واذا اشكل)اى التبس(على الانسان)اى من اهل الايمان(شىء من دقائق علم التوحيد)اى ولم يتحقق عنده حقائق مقام التفريد ومرام التمجيد(فينبغى له)اى يجب عليه(ان يعتقد فى الحال ماهو الصواب عند اللّٰه تعالٰى)اى بطريق الاجمال(الٰى ان يجد عالما)اى عارفًا بحقيقة الاحوال(فيسأله)اى ليعلم العلم التفصيلى علٰى وجه الكمال(ولا يسعه تاخير الطلب)اى عند تردده فى صفة من صفات الجلال اونعوت الجمال(ولا يعذر بالوقف عليه)اى بتوقفه فى معرفة هذه الاحوال وعدم تفحصه بالسوال(ويكفر)اى فى الحال(ان وقف)اى بان توقف علٰى بيان الامر فى الاستقبال،لان التوقف موجب للشک وهو فيما يفترض اعتقاده كالانكار،ولذا ابطلوا قول الثلجى من اصحابنا حيث قال:اقول بالمتفق،وهوانه كلامه تعالى،ولا اقول مخلوق اوقديم.

هذا،والمراد بدقائق علم التوحيد اشياء يكون الشک والشبهة فيها منافيا للايمان ومناقضا للاتقان بذات اللّٰه تعالٰى وصفته ومعرفة كيفية المؤمن به باحوال آخرته،فلا ينافى ان الامام توقف فى بعض الاحكام،لانها فى شرائع الاسلام فالاختلاف فى علم الاحكام رحمة والاختلاف فى علم التوحيد والاسلام ضلالة وبدعة والخطأفى علم الاحكام مغفور،بل صاحبه فيه ماجور،بخلاف الخطأ فى علم الكلام فانه كفر وزور وصاحبه مازور﴾

(منح الروض الازهر فى شرح الفقه الاكبرص ۳۲۱،۳۲۲–دار السلامة بيروت)

سوال: تکفیر کلامی میں محل احتمال کتنے ہوتے ہیں؟

جواب: منکر کے حالات کے اعتبار سے محل احتمال کی تعداد کم وبیش ہوسکتی ہے۔جن جہات کا قطعی ہونا لازم ہے،وہ محل احتمال ہوتی ہیں۔عموماً پانچ مقامات میں احتمال ہوسکتے ہیں،یعنی تکفیر کلامی کے لیے ان پانچ مقامات کا قطعی بالمعنی الاخص ہونا لازم ہے۔

وہ پانچ مقامات یہ ہیں:امر اول:منکر کو امر ضروری دینی کا قطعی علم ہو۔امر دوم:مفتی کو یہ قطعی طور پر معلوم ہو کہ منکر امر ضروری دینی کو قطعی طور پر جانتا ہے۔امر سوم:ضروریات دین کا انکار قطعی طور پر ثابت ہو۔امر چہارم:قول وفعل کی نسبت قائل وفاعل کی جانب قطعی ہو۔امر پنجم:قائل وفاعل نے بالقصد بلا جبر واکراہ قول وفعل انجام دیا ہو۔

سوال: حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے ''الموت الاحمر''میں تین ہی جہات (کلام،متکلم،تکلم) کو محتمل بتایا ہے؟

جواب: الموت الاحمر میں مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ اور اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے متعلق مباحث ہیں۔اشخاص اربعہ ودہلوی خود اسلامی احکام سے واقف اور عالم وفاضل تھے،اس لیے انکار ختم نبوت اور تنقیص شان نبوی کے کفر ہونے کا علم انہیں بھی تھا اور مفتی کو بھی علم تھا کہ یہ لوگ ان امور کے کفریہ ہونے پر مطلع ہیں۔اگر بالفرض یہاں احتمال باطل ہونے کی بات کی جائے تو خود یہ لوگ اپنی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ ختم نبوت کا منکر کافر ہے اور توہین نبوی کا مرتکب کافر ہے تو ان عبارتوں سے احتمال باطل بھی معدوم ہوگیا۔وہ عوام جو دینی شعور رکھتے ہوں،وہ بھی انکار ختم نبوت اور تنقیص نبوی کے مسائل واحکام سے آگاہ ہوتے ہیں،لہٰذا ایسے عوام اور علما کے حق میں احتمال بلا دلیل بھی نہیں ہوگا،کیونکہ یہ دقیق ومخفی مسائل میں سے نہیں ہیں،بلکہ آسان ومشہور مسائل میں سے ہیں۔اگر بفرض محال علما کے حق میں احتمال بلا دلیل تسلیم بھی کرلیا جائے تو دیگر علما کے بتا دینے پر یہ احتمال بھی معدوم ہوگیا۔اشخاص اربعہ کی عبارتوں کا علم جیسے ہی علمائے اہل سنت کو ہوا،علما نے ان کفریہ عبارتوں کا رد وابطال شروع فرما دیا۔شرعی احکام بیان فرمانے لگے۔اب احتمال بعید کا شبہہ بھی ختم ہوگیا۔☆☆☆☆☆

دبستان ہفت رنگ

مشائخ اہل سنت کے مکتوبات–قارئین {پیغام شریعت} کے تأثرات–دانشوران قوم وملت کی فکری تحریرات–

ارباب علم وفضل کے مختصر مقالات کے لیے مستقل کالم::ای میل: tariqueanwer313@gmail.com

شیخ ملک احمد بن پیر محمد فاروقی گجراتی قدس سرہ

مولانا محمد نظام الدین مصباحی گجراتی: صدرالمدرسین دارالعلوم غوثیہ رضویہ (بلیک برن یوکے)

احمد آباد سلاطین گجرات کا پایہ تخت تھا،اس لیے یہاں بکثرت علما و مصنفین گزرے ہیں۔جب اکبر بادشاہ نے گجرات فتح کیا اور اس کی ساری توجہ آگرہ کی جانب مبذول ہوئی تو احمد آباد کی رونق ماند پڑ گئی،اور یہاں کے محدثین وعلمائے محققین کو وہ مقام ومرتبہ نہ مل سکا جس کے وہ مستحق تھے، بلکہ بعض اصحاب تصانیف محققین کا تذکرہ تک مؤرخین نے نہ کیا۔انھیں علمائے محققین میں سے ایک نمایاں نام شیخ ملک احمد فاروقی گجراتی قدس سرہ کا بھی ہے-بعض قلمی کتابوں سے یہ روشنی ملتی ہے کہ آپ کا آبائی وطن ضلع کھیڑا کا قصبہ پٹلا د ہے،اور بعد میں آپ نے احمد آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی-

مصباح عالم قلمی کے مصنف آپ کے نسب کے بارے میں رقم طراز ہیں:''آپ کا سلسلہ نسب والدہ کی طرف سے استاذ الہند مجدد قرن عاشر حضرت شاہ وجیہ الدین علوی احمد آبادی قدس سرہ (متوفی ۹۹۸ھ) سے ملتا ہے۔وہ اس طرح کہ شیخ ملک احمد حضرت سید ظہیر الدین جو حضرت شاہ وجیہ الدین علوی قدس سرہ کے حقیقی بھائی تھے، کی بیٹی بی بی بواجی کی لڑکی "امۃ الحی" کی بیٹی کے بیٹے ہیں'۔(مصباح عالم قلمی)

گیارہویں صدی ہجری میں آپ کا شمار اکابر علما میں ہوتا تھا۔آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے جیسا کہ آپ کی تصانیف اس پر شاہد ہیں،عرصہ دراز تک آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بے شمار تشنگان علوم وفنون نے آپ کے چشمہ صافی سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

آج بھی آپ کی تصانیف ہند اور بیرون ہند کی مختلف لائبریریوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) اِیضاح المطالب، مصنفہ ۱۰۶۱ھ: یہ کتاب قصبہ پٹلا د میں اہل سنت کی حقانیت اور فرق باطلہ کی تردید میں تحریر کی گئی۔یہ کتاب دلائل وبراہین سے مزین ہے۔اس کا قلمی نسخہ احمد آباد کی پیر محمد شاہ قدس سرہ لائبریری میں ہے۔

(۲) حاشیہ علی العضد یہ، مصنفہ ۱۰۶۷ھ: اس کا قلمی نسخہ احمد آباد کی پیر محمد شاہ قدس سرہ لائبریری میں ہے۔

(۳) حاشیہ شرح مقاصد (۴) حاشیہ خیالی (۵) حاشیہ مطول (۶) حاشیہ علی شرح العقائد، مصنفہ ۱۰۸۵ھ (۷) حاشیہ شرح اِرشاد النحو، مصنفہ ۱۰۵۹ھ: یہ تمام حواشی کتب خانہ پیر محمد شاہ قدس سرہ میں موجود ہیں۔

(۸) خلاصۃ الوجیہ، آپ نے یہ رسالہ زیارت حرمین شریفین کے موقع پر حضرت شاہ وجیہ الدین علوی قدس سرہ کی سوانح حیات کے تعلق سے مدینہ شریف میں تحریر کیا۔اس کا سال تصنیف ۱۰۸۴ھ ہے۔اس کا قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے-

(۹) زاد الأحباب في مناقب الأصحاب: یہ کتاب خدا بخش لائبریری (پٹنہ) میں موجود تھی۔راقم نے اس کا قلمی نسخہ حاصل کر کے مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی اور مولانا ناصر حسین مصباحی اساتذہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے اس پر تحقیق وتعلیق اور تخریج کا کام کروایا۔مولانا محمد جابر خان مصباحی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، تاکہ اس کی افادیت مزید بڑھ جائے اور اردو داں طبقہ بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکے-

اس فہرست سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مصنف علام اپنے زمانے کے عظیم محقق، بے مثال مصنف اور معقولات وعلم کلام کے ماہر عالم تھے۔ کاش گجرات کے علمائے محققین ان علمی مخطوطات کی طرف توجہ دیں اور اس پر تحقیق کریں تو صرف یہی نہیں کہ یہ عظیم علمی سرمایہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوجائے گا، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ اور مینارۂ نور بھی ہوگا۔

مصادر: (۱) مصباح عالم قلمی (۲) مخطوطات کی فہرست (۳) مشاہیر علمائے گجرات

معلم کون؟ استاد......یا......انٹرنیٹ

خوشنما امجدی رشیدی بنت عقیل احمد (دھنباد) درجہ سادسہ، کلیۃ البنات الامجدیہ (گھوسی)

ایک وقت تھا کہ طالب علم حصول علم کے لیے میلوں کی مسافت طے کرتا تھا، اپنے گھر بار چھوڑ کر کئی کئی دنوں تک بھوکا پیاسا محنت ومشقت برداشت کرتا، تب جا کر وہ کامیابی کی منزلوں کو طے کر کے ایک باوقار شخصیت کا حامل ہوتا تھا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کا طالب علم بادب اور بااخلاق ہوتا تھا۔ استاذ کی عزت واحترام کرنا اور ان کی بات بغور سننا ان کے اخلاق وادب کا ایک اہم حصہ تھا۔

اب وقت نے اڑان بھری، اور زمانے نے کروٹ لی۔ زمانہ جیسے جیسے بدلتا گیا، ویسے ویسے تہذیب واخلاق کا معیار بھی بدلتا گیا۔ اب عروج وارتقا کا زمانہ ہے۔ موجودہ دور کا طالب علم اپنے استاذ کی عزت کرنے کا روادار نہیں ہے، حالانکہ اسلام نے جس طرح حصول علم کو فرض قرار دیا ہے، اسی طرح اسلام نے استاذ کی تعظیم وتوقیر کا بھی حکم دیا ہے۔ اس وقت اکثر طلبہ انٹرنیٹ کے عادی اور سوشل میڈیا کی دیوانے ہو چکے ہیں۔ ان کے اندر سے مطالعہ اور کتب بینی کا ذوق وشوق ختم ہوتا جارہا ہے۔ اپنے اساتذہ سے سوال کرنا اور اپنے شبہات واعتراضات پیش کرنے کا مزاج معدوم ہو چکا ہے۔ اب ہر قسم کے مسئلہ کے حل کے لیے طلبہ انٹرنیٹ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اب ان کے نزدیک براہ راست اساتذہ کی رہنمائی اور ان سے استفادہ کی کوئی اہمیت ہی باقی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اور طلبہ کے مابین جو پہلے خوشگوار تعلقات ہوتے تھے، اب اس کا فقدان نظر آرہا ہے۔ ایک مخلص طالب علم کو اپنے شفیق اساتذہ سے جو عقیدت ہونی چاہیے، وہ نابود ہو چکی ہے۔ اساتذہ سے براہ راست استفادہ ہی قلب میں ان کی محبت وعقیدت کو برقرار رکھتا ہے اور دلوں کے اندر تادیر شمع علم کو منور وتاباں رکھتا ہے۔

اب لوگوں نے یہ ذہن بنالیا ہے کہ انسان انٹرنیٹ کے بغیر کوئی کام ہی نہیں کرسکتا۔ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ ٹی وی، ویڈیو اور انٹرنیٹ کے بغیر تبلیغ دین اور اسلام کی تعلیمات کو عام کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔ ویڈیو کے بغیر دین کی خدمت مشکل ہو چکی ہے، لیکن اسلاف کرام کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسی سرزمین ہند پر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش نوے لاکھ لوگوں کو کلمہ پڑھایا، اس وقت کون سا انٹرنیٹ اور کون سا فیس بک موجود تھا؟ اس دور میں مسلمانوں کی ایسی منفرد اور زبردست کامیابی کا راز کیا تھا؟ یہی اور صرف یہی کہ ان وفاداران اسلام کے دلوں میں خلوص تھا، اور حضور اقدس معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔

یہ بات درست ہے کہ یہ دور ترقی یافتہ دور ہے۔ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ لوگوں کے ہاتھوں میں انڈرائیڈ موبائل ہے، جس کے ذریعہ وہ سیکنڈوں میں پوری دنیا کی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ ہمارے طلبہ کو بھی اس کا استعمال کرنا چاہیے، مگر حدود میں رہ کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے چکر میں پڑ کر استاذ جیسی عظیم نعمت کو فراموش کر جائیں اور گوگل کے بھروسے علم سے کورے رہ جائیں۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی انسان سے مل کر جو سبق پڑھا جائے، وہ ازبر اور ذہن نشین ہوجاتا ہے، اور خود یا کسی اور طریقے سے پڑھا ہوا جلد ہی نسیا منسیا ہوجاتا ہے، اس لیے جس قدر ممکن ہو، اپنے اساتذہ کے قریب رہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان سے استفادہ کی کوشش کریں۔ ہمہ وقت ان کا ادب واحترام کریں۔ اللہ ہم تمام کو توفیق کامل عطا فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین

فتاویٰ اسحاقیہ: تعارف وخصائص

صاحب فتاویٰ: حضرت علامہ مفتی محمد عالمگیر رضوی (جودھ پور)
تبصرہ نگار: مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی (باسنی: ناگور شریف)

خلیفۂ حضور مفتی اعظم راجستھان وحضور تاج الشریعہ وحضور محدثِ کبیر، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، مصباح الفقہا حضرت علامہ الشاہ الحاج مفتی محمد عالمگیر صاحب قبلہ رضوی مصباحی (استاذ ونائب مفتی دارالعلوم اسحاقیہ، جودھپور) کا شمار ہند و پاک کے مؤقر ومعتمد فقہائے کرام میں ہوتا ہے۔ فن فقہ وافتا میں آپ اپنے معاصرین میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ایک طویل زمانے سے فتویٰ نویسی سے آپ کا گہرا ربط و تعلق ہے۔ آپ کو فقہی جزئیات وکلیات پر مکمل ادارک وعبور حاصل ہے۔ جب تک کسی مسئلہ کی تہہ تک نہیں پہونچ جاتے اور اس کو حل نہیں کر لیتے، چین وسکون سے نہیں بیٹھتے ہیں۔ یہ میرا بارہا کا مشاہدہ وتجربہ ہے۔ مجلس شرعی (مبارک پور) اور شرعی کونسل آف انڈیا (بریلی شریف) کے سوالات کے جوابات تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں، جس جس کتاب میں جو جو جزئیہ نظر میں ہوتا ہے اسے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریری اجازت بعد ۱۹۹۷ء سے استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی، حضرت شیر راجستھان علامہ مفتی شیر محمد خاں صاحب رضوی شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی نیابت ونگرانی میں ان کے ساتھ مستقل طور پر تادم تحریر فتاویٰ لکھنے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان کے تمام فتاویٰ دارالعلوم اسحاقیہ کے رجسٹر میں درج ہوتے رہے۔

ان فتاویٰ میں سے منتخب کر کے ''فتاوی اسحاقیہ'' کی دو جلدیں شائع کی گئی ہیں۔ ''فتاویٰ اسحاقیہ'' کی پہلی جلد کتاب العقائد سے کتاب النکاح تک ہے جس کے کل صفحات: 820: ہیں۔ اس میں فتاویٰ کی تعداد 616: ہے۔ دوسری جلد کتاب الطلاق سے کتاب المیراث تک ہے جس کے کل صفحات 915: ہیں، اور اس میں فتاویٰ کی تعداد 586: ہے۔

''فتاویٰ اسحاقیہ'' کے مرتب میرے برادر کبیر حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقادر رضوی اشفاقی، نائب مفتی ''نوری دارالافتا'' جامع مسجد باسنی، ناگور شریف ہیں۔ حضرت مصباح الفقہا کے عزیز ترین تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت کے ان بکھرے ہوئے علمی موتیوں کو جمع کر کے جماعت اہل سنت پر عظیم احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرتب موصوف کو بھی بزرگوں کی دعاؤں سے علمی وفقہی صلاحیت سے مالا مال فرمایا ہے۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی ''فتاویٰ قادریہ'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

ترتیب وتہذیب کا مکمل کام صرف 8: ماہ کی قلیل مدت میں کیا گیا، اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ حضرت مصباح الفقہا جودھ پور سے فوٹو اسٹیٹ فائل بھیج دیتے۔ مرتب موصوف ان منتشر فتاویٰ کو فقہی ابواب کے مطابق منسلک کر کے، مسائل کی سرخی اور فہرست سازی کے بعد کمپوزنگ کے لیے دے دیتے، اس طرح یہ ترتیب کا کام مکمل ہو کر ''فتاویٰ اسحاقیہ'' کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔

''فتاویٰ اسحاقیہ'' کے جدید مسائل: اس مستند فتاوی میں جدید مسائل کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ''فتاویٰ اسحاقیہ'' کس قدر عرق ریزی اور تحقیقی انداز میں لکھا گیا ہے، کیوں کہ جدید مسائل پر کھل کر بحث کرنا، نت نئے پیش آمدہ مسائل کو کتب ماسبق کے دلائل سے مزین کرنا ایک قابل مفتی کا ہی کام ہوتا ہے جو ہمارے مصباح الفقہا صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے نبھا کر دکھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر فن میں کمال ومہارت عطا فرمائی ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق وفلسفہ آپ کے خاص موضوعات ہیں جن پر آپ کو کمال حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری دم تک دین اسلام ومسلک اہل سنت (مسلک اعلیٰ حضرت) کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے: آمین

R.N.I. No. DELURD/2015/65657 Posted at RMS Postal Registration: DL (DG-11) 8085/2016-18

Publishing Date: 20 Same Month

Paigam e shariat Monthly

Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams

Vo:- 03 Issue: 28 May: 2018

Posting Date:21&22

Owner, Publisher & Printer
Mohommad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/S Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006